طلبہ و مدرسین علماء و مبلغین کے علم وعمل، تعلیم نسوان، انگریزی تعلیم دعوت و تبلیغ وغیرہ، تعلیم و تبلیغ کے تمام اجزاء اور ہر رخ اور ہر پہلو کی اس جامعیت کیساتھ حکیمانہ اصلاح فرمائی کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ باقی نہیں رہ گیا جس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے، فاضل مرتب نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور مواعظ سے اُن کو چن کر اپنی تشریح و توضیح کے ساتھ مرتب فرما دیا ہے، حضرت حکیم الامۃ کی تجدیدات خود ہی بڑی حکیمانہ و دلپذیر ہوتی ہیں، فاضل مرتب کے حسن تشریح حسن انشاء، اور سب سے بڑھکر ان کے درد و اخلاص نے اُن کو اور زیادہ موثر اور دلنشین بنا دیا ہے، یہ کتاب اپنے فوائد کے لحاظ سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے عموماً، اور علماء و مدرسین و مبلغین کے خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کے لائق ہے، حضرت مؤلف کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے حکیم الامۃ کی تجدیدات کو جن کا علم ایک خاص دائرے کے اندر محدود تھا مرتب کر کے وقف عام کر دیا جس سے ہر مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے اس طرح انھوں نے عام مسلمانوں کی جانب تبلیغ کا فرض کفایہ انجام دیدیا، اللہ تعالیٰ ان کو اس دینی خدمت کا صلہ عطا فرمائے،

سفینہ و ساحل از جناب عزیز وارثی بچھرایونی، تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:- مکتبہ شان ہند دہلی،

سفینہ و ساحل مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، وہ غزل گو شاعر اور جناب ساحل دہلوی، اور نوح ناروی کے تربیت یافتہ ہیں، اس لئے اُن کے تغزل کا رنگ قدیم مگر ستھرا اور کلام صاف و سلیس، اور اسقام شاعری سے بڑی حد تک پاک ہے جس سے اُن کی فطری صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور یقین ہے کہ مشق و ممارست سے اُن کے کلام میں اور سلاست و پختگی پیدا ہوگی، مگر سفینہ و ساحل نام کو مجموعے سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی اس قسم کی جدت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن کم از کم نام اور کلام میں کوئی معنوی مناسبت تو ہونا چاہئے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۱ء عدد ۵

مضامین

مقالات

اقبال کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن اُن سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں ان کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کیگئی، قیمت ہیر، ضخامت: مینیجر

شذرات

افسوس ہو کہ ہماری پرانی بزم شعر وسخن کی یادگارین ایک ایک کرکے اٹھتی جاتی ہین، ابھی چند مہینے ہوئے جناب صفی ہم سے جدا ہوے تھے کہ گذشتہ مہینہ جناب آرزو نے الوداع کہا، یہ دونون اپنے فن کے باکمال اساتذہ اور اردو زبان کے بڑے خدمت گذار تھے، صفی نے لکھنؤ کے قدیم رنگ تغزل کی اصلاح کے ساتھ قومی وملی نظمون کا مذاق پیدا کیا جو لکھنؤ کے شعراء مین بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا، انکی بعض پرانی نظمین اتنی مقبول ہوئین کہ اُن کے اشعار اب تک لوگون کی زبانون پر ہین، جناب آرزو جلال لکھنوی کے جانشین اور اردو زبان وادب کے ماہر ومحقق تھے، اس پر انکی نگاہ بڑی وسیع تھی، انھون نے اردو شاعری مین زبان کی سادگی وسہولت یا موجودہ اصطلاح مین ہندوستانیت کا نیا نمونہ قائم کیا، وہ حتی الامکان عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ اور ترکیبون سے پرہیز اور خالص ہندوستانی الفاظ استعمال کرتے تھے، جن شعراء نے اُن کی تقلید کی کوشش کی وہ کامیاب نہ ہوسکے اور اُن کی شاعری یا ہندی کو تا نکی گئی یا بے رنگ وبے مزہ ہوگئی، آرزو کی یہ خصوصیت تھی کہ انھون نے زبان کی ہندوستانیت کے ساتھ اردو شاعری کی آب ورنگ اور اُس کی دلآویزی قائم رکھی، جو زبان پر اُن کی غیر معمولی قدرت کا ثبوت ہو، انھون نے اپنے کلام کے کئی مجموعے فغان آرزو، جہان آرزو، اور سریلی بانسری یادگار چھوڑے ہین، ان دونون اساتذہ کے بعد لکھنؤ پرانی یادگارون سے خالی ہوگیا، بلکہ اُن پر اس دور ہی کا خاتمہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے،

مسلمانون کے اوقاف کے تحفظ اور اُن کی اصلاح وتنظیم کا مسئلہ ہمیشہ سے اہم تھا، اب ہندوستان کے سیاسی اقتصادی حالات نے اُس کو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، مسلمانون کے تقریباً کل ادارے مسلمان اہل خیر کی مدد سے چلتے تھے، ہندوستان کی تقسیم کے بعد تمام بڑے بڑے ادارے تو ہندوستان مین رہ گئے اور مسلمانون کی آبادی کا بڑا حصہ پاکستان مین

چلا گیا، ہندوستان کے بہت سے صاحب ثروت مسلمانون نے بھی پاکستان کی راہ لی، اس سے اسلامی ادارون کی آمدنی کے ذرائع بہت گھٹ گئے، بعض ادارون کو گورنمنٹ سے جو مدد ملتی تھی، نام نہاد سیکولرزم کے بدولت اب اسکی بھی امید نہین ہے، اس لئے مسلمانون کے تمام ادارے کم وبیش مالی مشکلات مین مبتلا ہین،

ہندوستان مین مسلمانون کے بکثرت اور بڑے بڑے اوقاف ہین، صرف اس صوبہ کے اوقاف کی آمدنی لاکھون روپیہ سالانہ ہو لیکن اُن کی حالت اتنی ابتر ہے کہ اُن سے مسلمانون کی اجتماعی ضروریات کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا، اگر انکی پوری تنظیم اور اُن کے مصارف کی اصلاح ہوجائے، تو تنہا اُن کی آمدنی اسلامی ادارون کے لئے کافی ہو، اور اُن کو کسی دوسری امداد کی ضرورت باقی نہ رہے، اس ضرورت کے پیش نظر جمعیۃ العلماء کی جانب سے مسلمانون کے اوقاف کے متعلق ایک مسودہ قانون پارلیمنٹ مین پیش ہونے والا ہو، اس قسم کی صوبائی کوششین اس سے پہلے بھی ہوچکی ہین، صوبہ متحدہ اور بہار مین تو باقاعدہ نیم سرکاری محکمۂ اوقاف قائم ہو، اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ بچے کھچے اوقاف آیندہ اتلاف سے محفوظ اور متولی کسی قدر محتاط ہوگئے، مگر مسلمانون کی ضروریات کو اب بھی اُن سے کوئی خاص فائدہ نہین پہنچ رہا ہو، اس مقصد کے لئے اس سے زیادہ موثر اور بااختیار نظام کی ضرورت ہو جس کے ذریعہ اوقاف کی پوری تنظیم اور اُن کے مصارف کی ایسی اصلاح ہوسکے جس سے مسلمانون کی مذہبی وملی ضروریات کے لئے وہ مفید اور کارآمد بن سکین،

اس سلسلہ مین نفس وقف کے مسائل پر بھی مذہبی حیثیت سے غور اور فیصلہ کرنے کی ضرورت ہو، مثلاً بہت سے اوقاف ایسے ہین جن کے مصارف نہ شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہین، اور نہ اُن سے مسلمانون کو کوئی مذہبی یا دنیاوی فائدہ حاصل ہوتا ہو، یا ایک مقصد مثلاً تعلیم ومدارس کے لئے بکثرت چھوٹے چھوٹے اوقاف ہین جن کا بہت کم حصہ ان پر صرف ہوتا ہو اور اگر صرف بھی کیا جائے تو یہ اوقاف اتنے چھوٹے ہین کہ اُن کے متفرق خرچ سے کوئی خاص فائدہ نہین ہوسکتا، اگر اُن کی آمدنی جمع کرکے ایک نظام کے ماتحت تعلیمی ضروریات مین صرف کیجائے، تو وہ زیادہ مفید ہوگی، اس لئے وقف کے مسئلہ پر اس حیثیت سے غور کرنے کی ضرورت ہو کہ اُن کے قوانین کی فقہی جزئیات اٹل اور ناقابل ترمیم ہین یا مسلمانون کی ضروریات کے مطابق ان مین ترمیم ووسعت پیدا ہوسکتی ہو، مثلاً زکوٰۃ کے مصارف متعین ہین، لیکن ہر زمانہ کے علماء

دفعتًا مسلمانون کی ضروریات کے لحاظ سے اُن کے مفہوم و منشا مین وسعت پیدا کرتے رہے ہین، کیا اس قسم کی وسعت وقف کے مصارف مین بھی پیدا کیجا سکتی ہے، جس سے وقف کا مقصد بھی فوت نہ ہو اور اس سے مسلمانون کی مذہبی و ملی ضروریات بھی پوری ہو سکین، مثلاً وقف کا مقصد خیر، صدقۂ جاریہ، اور انفاق فی سبیل اللہ ہوتا ہے، اگر کسی وقف کے غیر شرعی صرف سے یہ مقصد نہ حاصل ہوتا ہو تو اس کا کوئی حصہ دوسرے مذہبی کامون مین جو وقف کے موجودہ مصرف سے زیادہ اہم و ضروری ہون صرف کیا جا سکتا ہے یا نہین،

اس قسم کے اور بھی قابلِ غور پہلو ہین، جو اصحابِ نظر کی نگاہ مین ہونگے، مسلمانون کے اکثر اوقاف مذہبی اغراض کے لئے ہین، اگر وہ صحیح مصرف مین صرف کیے جائین، تو اُن کی بہت سی مذہبی ضروریات پوری ہو سکتی ہین لیکن اس سے پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے وقف کے مسائل پر غور کر کے اُن کے مصارف کی تصحیح اور اُن مین وسعت پیدا کی جائے، اس قسم کی اصلاحین اسلامی ملکون کے اوقاف مین بھی جہان مسلمانون کی حکومت ہے، ہوئی ہین، ایسی حالت مین ہندوستان کے مسلمانون کے لئے تو اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے، ان سطور مین اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنے کی گنجائش نہین ہے، انشاءاللہ آئندہ کسی موقع پر ہم تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات پیش کرین گے،

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا مشہور ہفتہ وار اخبار صدقؔ مالی دشواریون کی بنا پر چند دنون بند رہنے کے بعد اب صدق جدید کے نام سے نکلا ہے، مسلمانون کا سنجیدہ طبقہ صدق کی دینی و ملی خدمات سے پوری طرح واقف ہے، وہ ان چند اخبارون مین سے ایک ہے جنھون نے اس دورِ فتن مین بھی اپنا قلندرانہ اور مجاہدانہ بانکپن قائم رکھا ہے، ایسے مفید، اہم اور ضروری اخبار کو زندہ رکھنا دین، ملت اور زبان و ادب سب کی خدمت ہے، اس لئے ہم کو توقع ہے کہ دینی حمیت رکھنے والے مسلمان خود بھی اس کے خریدار رہین گے، اور دوسرون کو بھی بنانے کی کوشش کرین گے، اس کی سالانہ قیمت آٹھ روپے، ششماہی چار روپے آٹھ آنے ہے، پتہ دفتر اخبار صدقؔ کچہری روڈ لکھنؤ،

مقالات

دعوتِ نبویؐ کے اصول و مقاصد

کتاب اللہ اور واقعاتِ سیرت کی روشنی مین

از

مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی

علمائے حدیث اور سیرت نگار حضرات کی دماغی اور علمی کاوشین ملتِ اسلامیہ بلکہ پوری انسانی دنیا کے لئے مایۂ صد افتخار ہین کہ انھون نے انتہائی سعی و محنت سے کائناتِ انسانی کے رہنمائے کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی جامعیت اور استیعاب کے ساتھ فراہم کئے اور ترتیب دیئے ہین، یہان تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات آپ کی کوئی جسمانی حرکت و سکون، فرحت و انبساط اور غم و غصہ کی کوئی ادا اور بزم و رزم کی کوئی حرکت ایسی نہین جو ضبطِ تحریر مین نہ آچکی ہو، حقیقت یہ ہے کہ ختمِ رسالت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو صرف یہی ایک دلیل کافی ہے، کہ اگر آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کی بعثت کی ضرورت باقی ہوتی تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کے حالاتِ زندگی بھی نسیًا منسیًا ہو چکے ہوتے، اور اس طرح آپ کی ہر ہر بات اور ہر ہر حرکت ضبطِ تحریر مین نہ آئی ہوتی، لیکن جب ہم دیکھتے ہین کہ انبیائے سابقین مین سے کسی کے تفصیلی حالاتِ زندگی آج محفوظ شکل مین موجود نہین، حالانکہ اُن مین ایسے بھی ہین جن کے ماننے والے آج بھی کرورون کی تعداد مین موجود ہین، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر

سیکڑوں مستند کتابیں ہر زبان میں موجود ہیں، تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی نبوت و پیشوائی تا قیامت جاری رہنے والی ہے، اسی لئے خود قدرت کی طرف سے آپ کے حالاتِ زندگی کی حفاظت کا اتنا اہتمام کیا گیا، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن حاتم الرازی کا یہ قول نقل کیا ہے،

لم یکن فی اُمّۃ من الاُمم منذ خلق اللہ تعالیٰ آدم اُمّۃ یحفظون آثار نبیھم غیر ھذہ الامۃ[1]	جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے، امتِ مسلمہ کے سوا کوئی ایسی امت نہیں گذری جس نے اپنے نبی کے آثار کو محفوظ رکھا ہو،

تاہم بعض دوسری حیثیتوں سے سیرت نگاری کے کام کو علمی حیثیت سے جاری رکھنے کی ضرورت ہے، مثلاً احیاء و اقامتِ دین کی دعوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر زمانہ کے مخصوص مزاج کے لحاظ سے پیغمبرانہ اصولِ دعوت کی تفسیر کیجائے، اور ماحول کی جدید تبدیلیوں پر اس کا انطباق کیا جائے، اور جدید مملکتی مسائل کو زمانۂ رسالت کی سیاست کاری اور معاشی خاکہ بندی کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کیا جائے، اور عہدِ رسالت کے اصولِ دعوت اور اصولِ عمران و تمدن کی ترتیب و تدوین موجودہ دور کے مخصوص اجتماعی مزاج کی رعایت کے ساتھ کی جائے، اور اسلام کے عالمگیر اور ابدی اصول و تصورات کی تعبیر اس ڈھنگ سے کیجائے کہ اس زمانہ کا ذہن و دماغ اس کو آسانی سے قبول کر سکے،

دعوتِ نبوی کی اصل تعلیم علم و عمل کی ہم آہنگی

پیغمبرانہ دعوت کا مزاج عام سیاسی، معاشی، اصلاحی اور تعلیمی تحریکات سے بالکل مختلف ہے، اس قسم کی تمام تحریکیں محدود اور وقتی مقاصد کے لئے اٹھتی ہیں، اور ان کے حصول کے بعد ان کا کام ختم ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں پیغمبرانہ دعوت مستقل اور ابدی مقاصد کو بروے کار لانے کے لئے ہوتی ہے،

[1] انموذج اللبیب للسیوطی، قلمی

اور وقتی مسائل سے نہ صرف ناگزیر حد تک تعرض کرتی ہے، اور زندگی کی آلی اور مقصود بالعرض قدروں کو محض وسیلہ و ذریعہ کی حد تک مستحق توجہ سمجھتی ہے، اور اپنے عمل اور جد و جہد میں وہ زندگی کی حقیقی اور مقصود بالذات قدروں ہی کو سامنے رکھتی ہے، اسی لئے انبیاء و رسل سب سے پہلے لوگوں کو زندگی کے حقیقی مقصد سے روشناس کرتے ہیں، اور پھر اسی کے مطابق سیرت سازی کا کام شروع کرتے ہیں، اور ذہن و فکر کی تعمیر کا کام اس وقت مسلسل جاری رہتا ہے جب تک کہ مقصد حیات کی عقیدت و محبت دلوں کی گہرائیوں میں اتر جائے، اس طریقہ سے تربیت یافتہ اور پختہ کار انسانوں کا ایک گروہ تیار ہو جاتا ہے، جس کا عزم و یقین کفر و باطل کے آہنی قلعوں کو پاش پاش کر دیتا ہے، اور جس کی نگاہ بڑے بڑے پرغرور سروں کو اپنے آگے جھکا دیتی ہے، اور جس کی صدائے عشق ملوک و سلاطین کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیتی ہے،

باسلاطین در فتد مردِ فقیر — از شکوہ بوریا لرزد سریر
قلبِ او را قوت از جذبِ سلوک — پیشِ سلطان نعرۂ او لا ملوک

لیکن اس مقدس گروہ کی منزلِ مقصود روٹی کے چند ٹکڑے، اور منصب و اقتدار کی مسند نہیں، بلکہ اس کی منزل ہر منزل سے آگے اور اس کا مقام ہر مقام سے اونچا ہے، اس لئے اس کی سعی و کوشش مسلسل اور غیر منقطع ہوتی ہے، اگرچہ جس منزل تک پہنچنے میں دوسرے لوگوں کو کئی کئی صدیاں لگ جاتی ہیں ان کو اہلِ ایمان کا بے سر و سامان قافلہ چند دنوں میں پیچھے چھوڑ جاتا ہے، مگر اس کا جذبۂ عشق اس کو کسی منزل پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا — حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تبلیغ، درس و تعلیم اور تربیت تینوں کام ساتھ ساتھ تکمیل پاتے ہیں، محض تبلیغ اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ ایک مشفق اور جفاکش استاذ کی حیثیت سے درس و تعلیم اور تربیت بھی اس کے فرائض میں ہے، اس لئے

پیغمبر کا وصف خاص یہ ہے کہ وہ ان سہ گانہ فرائض نبوت کو ایک ساتھ انجام دیتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے کار نبوت کے ان تینون مراحل کو متعدد مقامات مین بیان کیا ہے، وعظ و تبلیغ کا تعلق عموم ان لوگون سے ہے، جنھون نے اب تک دعوت قبول نہ کی ہو، اور تعلیم و تربیت ان لوگون کے لئے ہے، جو اپنے سابقہ عقائد کو چھوڑ کر نبی کی جماعت مین شامل ہوگئے ہون، وعظ و تبلیغ کی حسب ذیل آیات ہین،

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، (مائدہ)

اے رسول! آپ ان اصول و احکام کی تبلیغ کرین جو آپکے رب کی جانب سے آپ کی طرف آ گئے ہین، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اللہ کا پیغام نہین پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ لوگون کی (شر انگیزیون) سے محفوظ رکھے گا،

ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، (نحل)

آپ دعوت دین اللہ کے دین کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور ان کے ساتھ بحث کرین، اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو،

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ (آیہ)

پس اے نبی! آپ ان (کی شر انگیزیون) سے اعراض کرین، اور ان سے ایسی بات کہین جو دلون مین اتر جانے والی ہو،

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا

وہ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامون کی تبلیغ کرتے ہین، اللہ سے ڈرتے ہین، اور

اِلَّا اللّٰهَ (احزاب-۵)

اللہ کے سوا کسی دوسرے سے نہین ڈرتے،

تزکیۂ نفوس اور تعلیم و تربیت پیغمبرانہ دعوت کے اہم عناصر ہین، اس لئے قرآن حکیم نے ان کا بار بار ذکر کیا ہے،

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۝ (الجمعه)

وہ ذات جس نے عربون کی امی قوم مین رسول بھیجا جو انہی مین سے ہے، وہ ان پر اللہ کی آیتین پڑھتا ہے، ان کے دلون کو (عقائد شرک) سے پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

ان آیات مین تعلیم کتاب سے نظری تعلیم اور تعلیم حکمت سے عملی تعلیم و تربیت مراد ہے، "حکمت" کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی یعنی سنت کے ہین، چنانچہ امام شافعی نے کتاب الرسالہ مین لکھا ہے،

سَمِعْتُ مَنْ هُوَ اَرْضٰى مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْقُرْاٰنِ اَلْحِكْمَةُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مین نے اس شخص کو جو علوم قرآنی کے ماہرین مین سب سے زیادہ مقبول ہین یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے،

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ نوع انسانی کے لئے نظام تعلیم و تربیت کا ایک مکمل عملی نمونہ ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ

بلا شبہہ تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین بہترین نمونہ عمل ہے،

الآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا

یہ اس کے لئے ہے جو اللہ اور یوم آخرت کی آرزو رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو،

(الاحزاب)

دراصل درسگاہ نبوت ایک چلتی پھرتی اور متحرک درسگاہ ہے، جس کا طرز تعلیم کلاسکی علوم کی طرح محض نظری استدلال پر مبنی نہین ہے اور نہ مدرسہ و خانقاہ کی حدود کا پابند ہے بلکہ سفر و حضر، خلوت و جلوت، بزم و رزم اور زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبہ مین اس کا کام برابر جاری رہتا ہے، شہسواری کی تعلیم گھر کی چاردیواری یا صحن مسجد مین نہین دی جاتی بلکہ گھوڑے کی پیٹھ پر اس فن کی مشق کرائی جاتی ہے، پیراکی کے اصول خشکی مین نہین بلکہ طوفانی لہرون کی کشاکش مین ڈال کر سکھائے جاتے ہین، کتاب کے چند نقوش انسانی قلوب مین وہ برقی روح کس طرح پیدا کر سکتے ہین جو مرد حق آگاہ کی نگاہ انقلاب انگیز سے پیدا ہوتی ہے ؎

این کار حکیمے نیست دامان کلیمے گیر
صد بندۂ ساحل مست یک بندۂ دریا مست

اس لئے سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ زندگی کے ہر شعبہ مین کرنا چاہئے، آپ جب گھر مین تشریف فرما ہوتے تو اطاعت و عبادت کے فضائل، امور خانہ داری اور عام معاشرتی مسائل کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، جب مسجد مین تشریف لاتے تو مسلمانون کے اجتماع مین طہارت و عبادت، حلال و حرام، حقوق و فرائض، اخلاق و معاشرت اور سیاست و معیشت کے نکات و معارف بیان فرماتے اور جب مجاہدین کا لشکر جرار جہاد کے لئے کوچ کرتا تو اثنائے سفر اور عین میدان جنگ مین بھی خدا پرستی، اخلاص مقصد، طہارت و پاکیزگی اور احترام آدمیت کا سبق دیتے، غرض ہر لمحہ تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا،

غزوۂ احد مین چند لوگون کی لغزش سے مسلمانون کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، کفار کی ناگہانی یلغار سے اسلامی جمعیت درہم برہم ہو گئی، اور ستر مسلمان شہید ہو گئے، یہ بڑا نازک اور پریشانی کا وقت تھا، ہر طرف سے زخمیون کی دردناک صدائین کانون مین پڑ رہی تھین، دشمنون کا جذبۂ عداوت شہداء کی لاشون تک سے انتقام لے رہا تھا، مسلمانون پر بدحواسی طاری تھی، لیکن ایسے نازک وقت مین بھی خدا کے سچے پیغمبر نے ثبات و استقلال

مین فرق نہ آیا اور آپ صرف خدا پرستی، توحید اور غیرت دینی کا سبق دیتے رہے، چنانچہ مخالف کیمپ سے جب ابوسفیان نے للکار کر کہا، کیا تم مین محمد موجود نہین ہین؟ تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا، جواب نہ دو، ابوسفیان نے دوبارہ آواز دی، کیا تم مین ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہین؟ آپ نے پھر فرمایا، خاموش رہو، تیسری مرتبہ ابوسفیان نے عمر بن الخطابؓ کا نام لیا، آپ نے اس دفعہ بھی فرمایا، کوئی جواب نہ دو، اس خاموشی پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا یہ لوگ مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے، جب تک محض غیرت نفس کا سوال تھا اس وقت تک آپ نے جواب دینے سے منع فرمایا لیکن جب ابوسفیان نے اعل ھبل (ہبل کی جے) کا نعرہ بلند کیا تو آپ نے فرمایا، تم بھی کہو اللہ اعلیٰ و اجل "اللہ بلند اور برتر ہے" اور جب ابوسفیان نے یہ مشرکانہ نعرہ لگایا "لنا العزی ولا عزی لکم" اور ہمارے لئے عزیٰ رب کا نام ہے اور تمہارے لئے نہین ہے تو آپ نے پھر صحابہؓ سے فرمایا، تم جواب دو "اللّٰہ مولانا ولا مولا لکم" اللہ ہمارا مالک ہے، اور تمہارا کوئی مالک نہین ہے،[1]

اس واقعہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کو یہ تعلیم دی کہ ان کی جد و جہد انتقام ذاتی، غیرت نفس کے جذبہ کی تسکین کے لئے نہین بلکہ محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے، اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے دین کی عظمت شخصیتون کی موت و حیات سے وابستہ نہین ہے، خواہ ہم لوگ رہین یا نہ رہین مسلمان کی خواہش یہ ہونی چاہئے کہ اللہ کا دین ہمیشہ غالب و سرفراز رہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ سفر جہاد مین اگر مسلمانون سے کوئی لغزش ہوتی تو آپ فوراً تنبیہ فرماتے، سفر خیبر مین جب اسلامی لشکر خیبر کے قریب پہنچا، تو کچھ لوگون نے بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اس پر آپ نے سخت لہجہ مین فرمایا،

اربعوا على انفسكم انكم لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا

ضبط نفس سے کام لو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہین پکار رہے ہو، بلکہ تم سمیع

---

[1] بخاری،

قریبا وھو معکم، وقریب کو پکار رہے ہو، جو ہر لمحہ تمہارے

(بخاری) ساتھ ہے،

اثنائے سفر میں بھی تزکیۂ قلوب کا کام برابر جاری رہتا تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ خیبر کی راہ میں، میں زیر لب کچھ پڑھتا جارہا تھا، آپنے فرمایا کیا پڑھ رہے ہو، میں نے عرض کی لاحول ولا قوۃ الا باللہ، فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسا کلمہ بتادوں جو جنت کے خزانہ میں سے ایک خزانہ ہے؟ میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ،

غزوۂ بنی المصطلق (جو ابن اسحٰق، ابن جریر، اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق ۶ھ میں اور موسیٰ بن عقبہ اور حاکم کی روایت کے مطابق ۵ھ میں واقع ہوا) میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری اور ایک مہاجر میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، مہاجر نے انصاری کے منہ پر تھپڑ ماردیا، اس پر انصاری نے یا للانصار (انصار کی دہائی) کا نعرہ لگایا اس کے مقابلہ میں مہاجر نے یا للمہاجرین کا نعرہ بلند کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں جب یہ نامانوس آواز پہنچی، تو آپ نے فرمایا "یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے، اس کو چھوڑ دو کہ یہ بہت ناپاک نعرہ ہے"،

غرض حضر کی طرح سفر میں بھی جس قدر دینی اجتماعی اور ملی مسائل پیش آتے، تو آپ نور نبوت سے اُن کو حل فرماتے، اور کسی حال میں بھی دعوت وارشاد کا سلسلہ بند نہ ہوتا، بلکہ کتب احادیث وسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قرآنی احکام وفرائض اثنائے سفر ہی میں نازل ہوتے،

شجاعت وتہور اور سخاوت وفیاضی عربوں کا مایۂ فخر تھی، لیکن وہ ان اوصاف کو بلند اخلاقی اصول ومقاصد اور انسانیت کی فلاح وسعادت کے لئے نہیں بلکہ قتل وغارت، انتقام توہین آدمیت اور اس قسم کے دوسرے پست مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے، یہاں تک کہ قتل وسفاکی، لوٹ مار، انسانوں کو آگ میں جلانا، عورتوں کی بے آبروئی کرنا، بچوں اور بڈھوں کو قتل کرنا، اور اس قسم کے

بہیمانہ افعال ان کے قومی کردار بن گئے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیشتر غزوات میں اسلامی فوجوں کی خود قیادت فرماتے تھے، اس لئے قدم قدم پر اسلامی قوانین صلح وجنگ کی تعلیم دیتے جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مسلمانوں کو بھوک نے تنگ کیا، وہ کہیں سے بکریاں لوٹ لائے، اور ذبح کرکے اُن کا گوشت پکانا شروع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے دیگچیاں الٹوادیں، اور فرمایا،

ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ، (اخرجہ ابوداؤد) — لوٹ مار کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں ہے،

فتح مکہ کے موقع پر آپنے فرمایا

لا یجھزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ومن اغلق بابہ فھو آمن،[1] — زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، قیدی کو قتل نہ کیا جائے، اور جو دروازہ بند کردے، اس کو امن دیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی دستور تھا کہ جب آپ کسی جنگ کے لئے مدینہ سے لشکر روانہ کرتے تو رخصت کرتے وقت اہل لشکر کو یہ ہدایت فرماتے تھے،

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ تقاتلون من کفر باللہ لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امرءۃ، (رواہ مالک) — تم اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے جہاد کرو، اللہ کا انکار کرنے والوں سے لڑو، مال غنیمت میں چوری نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، مثلہ نہ کرو، اور بچے اور عورت کو قتل نہ کرو،

پیغمبرانہ دعوت میں تعلیم وتربیت اور علم وعمل کا اتحاد ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے کسی واقف کار

---

[1] فتوح البلدان،

شخص کو (خواہ وہ مارکسزم پر ایمان رکھتا ہو، یا کسی دوسرے جدید نظریۂ زندگی کا علمبردار ہو) انکار نہیں ہو سکتا ہے،

اس سلسلہ مین دورِ نبوت اور عہدِ خلافتِ راشدہ کی جنگی مہمون کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح قدیم وحشیانہ جنگی طریقون کی اصلاح کی، اور جدید قانونِ صلح وجنگ کو کس طرح عملاً نافذ فرمایا، اور صحابہ کے جوشِ عمل کا یہ حال تھا کہ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کوئی حکم جاری ہوتا، اور ادھر اس پر عمل شروع ہو جاتا، اس کے مقابلہ مین اس زمانہ کی دوسری اقوام کی حالت یہ تھی کہ ان کے یہان کسی شایستہ جنگی قانون کا وجود ہی نہ تھا جس کی وہ پابندی کرتے، اس لئے وہ ہر قسم کی اخلاقی پابندیون سے آزاد تھین، اور خواہشِ نفس اور لاقانونی ہی ان کا قانون تھا،

یہ تو انسانون کے دورِ جہالت کا حال تھا، دورِ حاضر کی مہذب اور شایستہ قومون مین اگرچہ دو تین صدی سے قانونِ بین الممالک کی ترتیب کا کام ہو رہا ہے، اور اس مقصد کے لئے بین المملکتی کانفرنسین منعقد ہوتی رہی ہین کہ جنگ کی ہلاکتون کو ممکن حد تک کم کیا جا سکے، چنانچہ اس سلسلہ مین سب سے پہلے جنگ سی سالہ کے اختتام پر ۱۶۲۵ء مین ہالینڈ کے مقنن گروٹیوس کی ان اصلاحی سفارشات کو قبول کیا گیا کہ جنگ مین بچون، عورتون، بوڑھون، مذہبی رہنماؤن، کاشتکارون، تاجرون، اور اسیرانِ جنگ کو قتل نہ کیا جائے، اس کے بعد دولِ مغرب نے جنیوا کانفرنس، بروسلز کانفرنس، ہیگ کانفرنس اور واشنگٹن کانفرنس مین زہریلی گیسون، اور خود بخود پھٹنے والے زہریلے بمون کے استعمال کی ممانعت، تحدیدِ اسلحہ اور بعض دوسری تجویزین منظور کی گئین، لیکن ان کوششون کے باوجود پہلی جنگِ عظیم مین ایک کرور جانون کا نقصان ہوا، اور دوسری جنگِ عظیم مین تین چار کرور انسان مارے گئے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ واضعینِ قانون کی یہ تمام کوششین محض ریاکاری اور منافقت پر مبنی ہین، ورنہ ان کے دلون مین تحفظِ انسانیت کا جذبہ نہ پہلے تھا، اور نہ اب ہے، اور جب قیامِ امن اور تحفظِ انسانیت کی کوشش کرنے والے خود ہی بہیمیت ودرندگی کا مظاہرہ کرتے ہون تو انسانیت کے مرض کا علاج کیسے ممکن ہے؟

درد ست طبیب است علاجِ ہمہ دردے

دردے کہ طبیبے دہد آن را چہ علاجے

ان افسوسناک ناکامیون کو دیکھ کر بعض مغربی مفکرین اس درجہ مایوس ہوگئے ہین کہ انھون نے ان کوششون کی افادیت ہی کا انکار کر دیا، چنانچہ پروفیسر نبولڈ نے صاف صاف کہدیا کہ قانون اور جنگ باہم نقیض ہین، اور میدانِ جنگ مین قانونی پابندیون کی رعایت کسی صورت سے ممکن نہین ہے،

ان حقائق کے پیشِ نظر نسلِ انسانی کو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان کارنامہ پر فخر کرنا چاہیئے کہ آپنے صرف آٹھ نو سال کی مدنی زندگی مین عربون جیسی اجڈ اور وحشی قوم کے وحشیانہ جنگی طریقون کی اصلاح کر کے ایک جدید بین المملکتی دستور اور احترامِ انسانیت پر مبنی قوانینِ جنگ کو عملاً نافذ کر دیا، اور جو لوگ درندون کی طرح ایک دوسرے کو پچھاڑ کھاتے تھے، ان کے دلون مین ہمہ گیر اخوتِ انسانی کا جذبہ پیدا کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کا اعتراف دشمنون کو بھی کرنا پڑا، پروفیسر واکر لکھتے ہین،

یہ عجیب بات ہے کہ جرمنون اور تاتاریون ایسی وحشی اقوام کے برعکس عرب کے بدو جب یک وقت اپنے صحرائی براعظم سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہوئے، تو ان کی فتوحات کو عام تصور کی وحشیانہ فتوحات مین ہرگز شامل نہین کیا جا سکتا، کیونکہ ان لوگون مین پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحون سے بڑھکر تہذیب اور پاکیزہ اخلاق نظر آتے تھے[1]،

پیغمبر خدا صلعم کا حقیقی کارنامہ | سطور بالا مین جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو کم و بیش تاریخ اسلام کا ہر واقفکار جانتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی کارنامہ اس سے بہت بلند ہے، اور اس کو وہ مردِ مومن ہی سمجھ سکتا ہے، جو ذوقِ عشق ومستی سے آشنا ہو، وہ کارنامہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیۂ نفوس

[1] دی ہسٹری آف دی لاز آف نیشنز،

اور تعلیم و تربیت نے عربوں کو وہ نگاہ حق شناس اور دل خود آگاہ عطا کیا، کہ کائنات ہستی کے نقش و نگار اور عالم رنگ و بو کی گوناگوں بوقلمونیوں میں اُن کو جلوۂ حق کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی، اور ان کے ذوقِ یقین و ایمان کا یہ عالم تھا کہ ان کی نگاہ ماوراے محسوسات کو پیکرِ مشہود کی صورت میں دیکھتی تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حارثؓ سے دریافت کیا، حارث! تمھارا کیا حال ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں، فرمایا، ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمھارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ کہا دنیا سے میرا دل اچاٹ ہوگیا ہے، رات کو جاگتا، اور دن کو بھوکا رہتا ہے، گویا عرش الٰہی مجھے سامنے نظر آرہا ہے، اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تم نے ایمان کی حقیقت کو پالیا، اب اس پر قائم رہو"[1]

حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے، تو ہماری آنکھوں کے سامنے جنت و دوزخ کا سماں بندھ جاتا تھا[2]

نگاہِ نبوت نے اُن کے دلوں میں عشق کا ایسا ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ ہر لحظہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے، اور ان کی راتیں یادِ الٰہی میں کٹتی تھیں، چنانچہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اُن کی تعریف کی ہے،

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون	اُن کے پہلو بستر استراحت سے الگ رہتے
ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم	ہیں وہ خوف و رجا سے خدا کو پکارتے ہیں اور
ینفقون،	ہماری دی ہوئی چیزوں سے راہ خدا میں خرچ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ دعوت و تبلیغ یہ بھی تھا کہ آپ قرآنی آیات پُر اثر لہجہ میں تلاوت فرماتے تھے،

[1] اسد الغابہ تذکرہ حارث بن مالک [2] سنن ترمذی،

کہ پتھر دل موم ہو جاتے تھے، بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی تلاوت کے اثر سے اسلام اتر گیا، چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابو عبیدہ بن الحارث اور کئی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم آپ کی زبان مبارک سے قرآن سن کر مسلمان ہوئے،

تلاوت قرآن کے وقت حضرات صحابہ پر عجیب رقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا، قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے،

تقشعر منہ جلود الذین یخشون	اللہ کے کلام سے ان لوگوں کے جسم کانپ
ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم	اٹھتے ہیں، جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں پھر
الی ذکر اللہ،	اُن کے جسم اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر
(زمر ۔ ۳)	کی طرف پھر جاتے ہیں،

انسانی شرف و سعادت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور قلب و نظر کی تیرگی ہے، جہالت کا پردہ اٹھ جانے کے بعد دوسرے تمام پردے آپ ہی سرکنے لگتے ہیں، اس لئے پیغمبرانہ دعوت سب سے پہلے قلب و نظر ہی سے تعرض کرتی ہے، اور پیغمبرانہ تعلیم و ارشاد کے اثر سے جیسے ہی جہالت کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے، زندگی کی مستور حقیقتیں اجاگر ہوکر آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہیں،

واقف نہیں ہے تو ہی نواہاے راز کا — یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض مبلغ اور واعظ کی نہیں ہے بلکہ انکو معلم اور مربی بناکر بھیجا جاتا ہے، اور وہ منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی فکر و ذہن کی تطہیر اور بصیرت کی تعمیر کا کام شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے معلم بناکر بھیجا گیا ہے" ایک دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے، اس وقت وہاں دو گروہ الگ الگ بیٹھے تھے، ایک گروہ ذکر و عبادت میں مشغول تھا، اور دوسرا ازدیادِ علم میں مصروف، آپ نے فرمایا، اول الذکر گروہ بلاشبہ نیک کام کر رہا ہے، وہ خدا سے کچھ مانگ رہا ہے، خدا کی مرضی ہے کہ اس کی دعا کو شرف قبول بخشے یا مسترد کردے لیکن دوسرا گروہ تعلیم و تعلم

کا کام کر رہا ہے، (جو آیندہ نسلون تک اپنا اثر چھوڑنے والا ہے) مجھے بھی چونکہ معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے مین اسی گروہ مین بیٹھنا پسند کرتا ہون،

اس بنا پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جہل و تنگ کی تاریکیون مین گری ہوئی نسل آدم کو یقین و ایمان کی ضیا باریون سے منور کیا، اور اس کو ضلالت و غوایت کی راہ سے ہٹا کر سعادت ابدی اور شرف انسانیت کی شاہراہ پر لگایا،

دعوت نبوی کا اقتضاے طبعی مصالحت و امن پسندی

پیغمبر کی سیرت عفت و پارسائی، عفو و حلم، صبر و ضبط، مروت و احسان، محبت و ہمدردی اور دوسرے فضائل اخلاق کا ایسا پاکیزہ اور حسین مرقع ہوتی ہے کہ عام انسان تو کیا، بڑے بڑے اہل علم و تقوی، اور پاکیزہ سیرت لوگ بھی اس کے حسن و ربایش کی تاب نہین لا سکتے، اور عقل انسانی یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ایک شخص انسان ہوتے ہوئے بھی اتنے صبر و تحمل، اتنے حوصلہ و ضبط، اور اتنی فراخ دلی و وسعت قلبی سے متصف ہو سکتا ہے کہ برائی کرنے والون سے نیک سلوک کرے، راہ مین کانٹے بچھانے والون کی عیادت کرے، پتھرون سے زخمی کرنے والون کے حق مین دعا کرے، اور شدید کینہ پرور اور انتقام کیش دشمنون پر قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دے، وہ اتنا پاکباز اور عفت مآب ہو کر اس کی کتاب زندگی کا کوئی صفحہ خواہش نفس کے دھبون سے داغدار نہ ہو، اس کی بے غرضی کا یہ حال ہو کہ سونے چاندی کے ڈھیر اس کے قدمون پر نثار کئے جا رہے ہون، اور وہ نگاہ غلط انداز سے بھی کبھی اُن کی طرف نہ دیکھے، اس کو اپنے نصب العین سے اتنی محبت ہو کہ اپنی زندگی کا سارا عیش و آرام اس کے لئے قربان کر دے، اس کے دل مین انسانیت کا اتنا درد ہو کہ کسی پر ظلم کرتے ہوئے دیکھ کر تڑپ اٹھے، اور اپنی ذات کے لئے ایک مرتبہ بھی کسی سے انتقام نہ لیا ہو؟ بلاشبہ عقل ایسے شخص کے متعلق بھی فیصلہ کرے گی کہ یہ شخص مقام انسانیت سے بہت بلند ہے، ورنہ یہ ممکن نہین ہو کہ انسان مین خواہش انتقام ہوائے نفس اور دوسرے لوازم بشریت نہ ہون،

قرآن حکیم بار بار گذشتہ ایام و وقائع کا ذکر کرتا ہے، اور اشرار و مفسدین کی معصیت کوشیون اور شر انگیزیون کے مقابلہ مین حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت اصلاح و تعمیر کے حالات اور ان کی مقدس سیرتین ایسے موثر انداز مین بیان کرتا ہے کہ ایک نیک سرشت انسان کے دل مین ان مقدس نفوس کے لئے عقیدت و محبت کے جذبات کا طوفان اُمڈ آتا ہے، اور اس کی زبان بے ساختہ اُن کی تعریف و توصیف مین زمزمہ سنج ہو جاتی ہے، اس موقع پر اس کی چند مثالین کافی ہون گی،

جب انبیاء علیہم السلام دیکھتے ہین کہ اُن کی دعوت کی مخاطب قومین کفر و معصیت پر مصر ہین، اور بار بار سمجھانے کے باوجود ضلالت و گمراہی مین اور زیادہ سخت بلکہ انسانیت کے ان سچے خیرخواہون کی ایذارسانی اور قتل تک کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہین، تو اس حالت مین بھی اُن کے دل جذبۂ انتقام سے بالکل پاک، اور قوم کی فلاح و سعادت کے لئے بے چین ہوتے ہین، اور ان کی صلاح و فلاح مین اپنے مساعی کی بے غرضی کا ان الفاظ مین اعلان کرتے ہین،

لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ،
(ہود - ۳)

مین دعوت و تبلیغ کے عوض تم سے مال و دولت نہین مانگتا، میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے،

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ،
(سبا - ۶)

اے نبی ان سے آپ کہدین کہ مین نے اگر تم سے کوئی اجرت طلب کی ہو تو وہ تم اپنے پاس ہی رکھو، میرا اجر خدا کے ذمہ

غور کیجئے کہ یہ الفاظ کتنے درد و خلوص مین ڈوبے ہوئے ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی تبلیغ کے سلسلہ مین قرآن مین جو آیات نازل ہوئی ہین، اُن سے اس کام کے ساتھ آپ کے شدت تعلق اور آپ کے دل مین انسانی فلاح و سعادت کی تڑپ کا اندازہ ہو جاتا ہے ارشاد ہے

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَن لَا یَکُونُوا مومنین، (الشعراء)

شاید آپ اپنے نفس کو اس لئے ہلاک کرینگے کہ وہ لوگ ایمان نہین لاتے ؟

حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکیزگی سیرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰؑ کو ایک مدت کے لئے اجیر مقرر کیا، تو اس وقت انھون نے جو الفاظ کہے، وہ انسانیت کی حقیقی خیرخواہی کے آئینہ دار ہین،

ما ارید ان اشق علیك ستجدنی انشاءَ اللہ مِنَ الصّالحین، (القصص)

مین یہ نہین چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کرون، انشاء اللہ تو مجھے صالحین مین سے پائے گا،

ان حقائق سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت خلوص و دیانت اور انسانی محبت و ہمدردی سے معمور اور ایذا و قتل و سفاکی سے بالکل پاک ہوتی ہے، اس لئے پیغمبرون کی نسبت یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کی دعوت قتل و سفاکی اور خون آشامی کو ضروری قرار دیتی ہے، بلکہ درحقیقت پیغمبرانہ دعوت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ پُرامن طریقہ سے خدا کی زمین کو ظلم و معصیت سے پاک کیا جائے، لیکن جب شرپسند قوتین مقابلہ پر اُتر آتی ہین، اس وقت قوت کا استعمال ناگزیر ہوجاتا ہے، کیونکہ

کارِ حق گاہ بہ شمشیر و سنان نیز کنند

پیغمبرانہ دعوت کی ایک اصل یہ ہے کہ مصالحت کے تمام ضروری وسائل و ذرائع استعمال کرنے سے پہلے قوت و طاقت کا ہرگز استعمال نہ کیا جائے، اور امکانی حد تک مخالفون کو حسنِ سلوک اور مروت و احسان کی قوت سے تسخیر کیا جائے، فریضۂ دعوت کی تکمیل مین جنگ ہرگز شامل نہین ہے، اس کا حقیقی مقصد انسانیت کی فلاح و نجات ہے، لیکن اگر اس مقصد کی تکمیل مین شرارت پسند مزاحم ہون اور وہ جنگ سے مجبور کرین تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی شرانگیزیون کو قوت کے ذریعہ کچل دیا جائے، مگر اس کی اجازت

بہت سے شرائط کے ساتھ ہے،

اُذِنَ لِلَّذِینَ یُقَاتَلُونَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوا وَاِنَّ اللہَ علیٰ نصرھم لقدیر، (الحج)

ان لوگون کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے جن سے جنگ کی جاتی ہے، یہ اجازت اس لئے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے،

قَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِینَ (البقرہ ع-۲۴)

تم اللہ کی راہ مین ان لوگون سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہین، حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ تجاوز کرنے والون کو پسند نہین کرتا

لیکن یہی لوگ اگر جنگ سے دست بردار ہوکر صلح کی پیشکش کرین یا کم از کم ایسا رویہ اختیار کرین جس سے یہ یقین ہوجائے کہ وہ آیندہ جنگ کی خواہش نہین رکھتے، تو اس حالت مین قرآن حکیم کا صریح حکم ہے کہ ان لوگون کے خلاف ہرگز جنگ نہ کی جائے،

اِلَّا الَّذِینَ یَصِلُونَ اِلیٰ قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِیثَاقٌ اَوْ جَاؤُکُمْ حَصِرَتْ صُدُورُھُمْ اَنْ یُقَاتِلُوکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوا قَوْمَھُمْ، (نساء)

ان لوگون سے نہ لڑین جو ایسی قوم سے جا ملین جس سے تمھارا معاہدہ ہے، یا وہ اس حال مین تمھارے پاس آئین کہ تمھارے ساتھ اور تمھاری قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے دل برداشتہ ہون،

وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا، (الانفال)

اگر اہلِ کفر صلح کے لئے جھکین تو آپ اُن سے صلح کرلین،

اس ضمن مین سیرت نبوی کے بہت سے واقعات شہادت مین پیش کئے جاسکتے ہین، مثلاً ہجرت

کے بعد جب مدینہ منورہ کو مستقر دین بنایا گیا، تو یہاں کے یہود سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں یہود کو شہری حقوق عطا کئے گئے تھے، لیکن ۲ھ فتح بدر کے بعد یہودیوں نے جب محسوس کیا کہ اسلام ایک ناقابلِ شکست طاقت بنا جاتا ہے، تو اُن کے سینوں میں حسد و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی، قبائلِ یہود میں بنی قینقاع سب سے زیادہ جنگجو اور دلیر تھے، اس لئے پہلے انھوں نے معاہدہ کو توڑا، اور مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا، ابن سعد میں ہے،

فلما کانت وقعۃ بدر اظہروا البغی والحسد ونبذوا العہد،

غزوۂ بدر کے وقت یہودیوں نے سرکشی و حسد کا اظہار کیا، اور عہد کو توڑ ڈالا،

اس موقع پر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے، تو اُن کا ایک فرد بھی زندہ نہ رہنے پاتا، مگر رحمۃ للعالمین نے عبداللہ بن اُبی کی درخواست پر تورات کے حکم کے مطابق اُن کو محض جلاوطنی کی سزا دی،[1] اور وہ اپنے مال و متاع کو لے کر اذرعات (شام) چلے گئے، اس کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر نے نقضِ عہد کیا، انھوں نے کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش اور قریش کے بھڑکانے سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، ایسے لوگوں کی سزا بین الملکی قانون کے مطابق قتل سے کمتر کسی صورت میں نہیں ہو سکتی تھی، مگر سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا، اور فقط جلاوطنی کی سزا پر اکتفا کیا،

عہدِ رسالت کے واقعات میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں، جن میں غلبہ و اقتدار کے بعد غیر مسلم قبائل سے اُن کی جان و مال کے تحفظ کا معاہدہ کیا گیا، چنانچہ تبوک کے سفر میں ایلہ، جربا اور اذرح کے قبائلی سرداروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا، دومۃ الجندل کا اکیدر نامی سردار جو اس سے پہلے قیصر کے زیر اثر تھا مدینہ میں آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو پروانۂ امن عطا کیا، ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے

مختلف حصوں سے بہت سے وفود آئے، ان میں سے بہتوں نے اسلام قبول کر لیا، لیکن بعض ایسے بھی تھے، جنھوں نے کہا کہ ہم اسلام تو نہیں قبول کر سکتے، لیکن مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کا اقدام بھی نہیں کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شرط پر اُن سے معاہدہ طے کیا،

متذکرۂ بالا واقعات سے اگر صرفِ نظر بھی کر لیا جائے تو تنہا فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن (قریش) کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فراخدلانہ بلکہ ہمدردانہ سلوک اس حقیقتِ کبریٰ کی بین دلیل ہے کہ پیغمبرانہ دعوت احترامِ آدمیت اور ہمہ گیر اصولِ انسانیت پر مبنی ہے، جس میں انتقام اور جنگ و قتال کی خواہش کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے،

اس سلسلہ میں بعض ارشاداتِ نبویؐ کا ذکر بے جا نہ ہوگا، غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کو علم عطا کیا، تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے کہا میں ان لوگوں سے یہاں تک لڑونگا کہ وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم نرمی سے ان کو اسلام کی دعوت دو، اور اُن کو ان امور سے آگاہ کرو، جو ان پر واجب ہیں، خدا کی قسم اگر ایک آدمی بھی تمھاری کوشش سے راہِ راست پر آجائے، تو یہ تمھارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا،[1]

جب معرکۂ قتال گرم ہوتا ہے اس وقت بھی اس کا خیال رہتا ہے، کہ دشمن کے چہرہ پر اس لئے ضرب نہ لگائی جائے کہ وہ تمام اعضائے انسانی سے شریف تر عضو اور قدرت کی صنعت کا حسین ترین منظر ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے،

اذا قاتل احدکم فلیجتنب الوجہ (بخاری ص [illegible])

جب تم سے کوئی دشمن سے لڑ رہا ہو، تو اس کے چہرہ پر وار کرنے سے اجتناب کرے،

---

[1] بخاری

حضرت شیخ سیف الدین باخرزی

اور

اُن کی رباعیات

از

جناب محمد بشیر الحق صاحب بیدل دیسنوی عظیم آبادی

بعض باکمال فارسی شعرا ایسے بھی ہین، جن سے دنیائے ادب ناواقف تو نہین لیکن بہت کم واقف ہو، ان ہی شعراء مین حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ العزیز بھی ہین، تاریخون، و تذکرون مین آپ کا ذکر خیر صوفیۂ کرام اور شعراء دونون کے زمرہ مین گیا گیا ہے،

حبیب السیر مین کنیت اور نام شیخ ابو المعانی سیف الدین سعید بن مظفر باخرزی درج ہے کسی اور تذکرہ مین سیف الدین کے ساتھ سفید لکھا ہوا نظر سے نہین گذرا، "سفید" کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، جو سعید ہونا چاہئے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین پورا نام سیف الدین باخرزی ابو المعانی شیخ سعد الدین سعید بن مظفر باخرزی لکھا ہے، لیکن تاریخ گزیدہ، حبیب السیر، نفحات الانس، آتشکدہ، ہفت اقلیم، سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیا، مخزن الغرائب اور صبح گلشن مین صرف سیف الدین ہی مرقوم ہے، شاید نام سعد الدین سعید اور لقب سیف الدین ہو، اور لقب ہی سے عام طور پر مشہور ہوئے ہون، وطن باخرز تھا، جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان واقع ہے، اسی لئے نام کے ساتھ باخرزی بھی لکھا جاتا ہے،

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد راہ سلوک پر گامزن ہوئے، اس وقت سلسلۂ کبرویہ کے بانی

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزمی کے روحانی فیوض کا بڑا غلغلہ تھا، حضرت شیخ سیف الدین آپ ہی کے آستانہ پر آکر حلقۂ ارادت مین داخل ہوئے، منازل سلوک کے طے کرنے مین بڑی مشقت اٹھائی، ایک چلہ ختم کرکے دوسرے چلے مین بیٹھے تھے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ آپ کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا اے سیف الدین:-

منم عاشق مرا غم ساز وار ست　　　تو معشوقے مرا با غم چہ کار است

یہ پڑھکر آپ کو خلوت سے باہر لائے، اور پھر فرمایا کہ تمھارا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے[1] اسی کے بعد خلافت عطا کی مخزن الغرائب مین ہے،

"در یک اربعین انچہ او را حاصل و فتوحات میسر گشتہ بہ اہل ریاضت را در چہل سال میسر شدہ"

(قلمی نسخہ دار المصنفین)

نفحات الانس مین ہے کہ ایک رات حضرت نجم الدین کبریٰ نے اپنے مرید حضرت سیف الدین سے عبادت و ریاضت کی محنت شاق کرنے کے بجائے راحت و لذت سے گذارنے کو کہا، لیکن حضرت سیف الدین تمام رات اپنے مرشد کی خوابگاہ کے باہر پانی لئے کھڑے رہے کہ صبح کو پانی کی ضرورت ہوگی، صبح کو مرشد کی نظر مرید پر پڑی تو پوچھا کہ یہان کیسے کھڑے ہو، مین نے تو رات لطف و لذت سے گذارنے کو کہا تھا، حضرت سیف الدین نے جواب دیا کہ میرے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی لذت نہین کہ آپکے آستانہ پر رہ کر آپ کا خدمت گذار بنون، مرشد نے دعا دیکر بشارت دی کہ تمھارے رکاب مین بڑے بڑے سلاطین دوڑا کرین گے چنانچہ آیندہ ایسا ہی ہوا،

مرشد کے حکم کے بموجب رشد و ہدایت کے لئے بخارا مین آکر قیام فرمایا، جہان آپ کو بڑی مقبولیت و محبوبیت حاصل ہوئی، آپ کے گرد نہ صرف صوفیہ و مشائخ کا اجتماع رہتا، بلکہ سلاطین اور شہزادے بھی آتے

[1] نفحات الانس ہفت اقلیم خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۶۲،

کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتے رہتے،

نفحات الانس میں ہے،

"سلاطین میں سے ایک سلطان شیخ سیف الدین کی زیارت کو آیا، اور جب واپس جانے لگا تو شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک گھوڑا نذر کرنا چاہتا ہوں، لیکن التماس ہے کہ آپ تکلیف فرما کر باہر تشریف لائیں، تاکہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کو اس پر سوار کردوں، شیخ نے اس کی خواہش پوری کی، اور خانقاہ کے دروازہ پر آئے، بادشاہ نے گھوڑے کے رکاب کو پکڑ لیا، تاکہ آپ سوار ہوجائیں، گھوڑے نے سرکشی کی، اور گھبٹ دوڑا، سلطان پچاس قدم تک شیخ کے رکاب میں دوڑا، شیخ نے سلطان سے کہا کہ گھوڑے کی سرکشی میں حکمت یہ تھی کہ میں شیخ اسلام شیخ نجم الدین کی خدمت میں ایک رات حاضر تھا، تو انھوں نے بشارت دی تھی کہ میرے رکاب میں بادشاہ دوڑیں گے، اب شیخ کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی، (قلمی نسخہ دار المصنفین)

آتشکدہ میں ہے،

"وآخر الامر کاوش بجائے رسیدہ کہ سلاطین عظام پیادہ در رکابش بودندے"

مخزن الغرائب میں ہے،

"مردے جاذب بودہ است از شاہ و وزیر از برنا و پیر ہر کہ بخدمتِ اوی رسید والہ خدمت اوی گشت"،

منگو خان کی ماں نے بخارا میں صرف کثیر سے ایک مدرسہ قائم کیا، تو اُس نے آپ ہی کو اس کا متولی بنایا، ہفت اقلیم کا مؤلف رقمطراز ہے،

"والدہ منگو قاآن باآنکہ متابعت ملت مسیحا نمود در ایام دولت پسرِ خود ہزار بالش نقرہ بہ بخارا فرستادہ تا در آنجا مدرسہ ساختہ اند و تولیت آن را بہ شیخ تفویض فرمودہ"،

صوفیۂ کرام میں آپ کا پایہ بہت بلند سمجھا جاتا ہے، تاریخ گزیدہ (ص ۷۹۰) میں ہے کہ اپنے زمانہ ہی میں شیخ عالم کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، حبیب السیر میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

"ملقب است بشیخ گوسفند و چون طائفہ از اہل اسلام در بعضے از ان مجلس تشریف حضور ارزانی می داشتند حکم شدہ بود کہ ہر روز چند سر اسپ و گوسفند را موافق شرع شریف ذبح کنند"

سفینۃ الاولیاء میں ہے،

"از کبار مریدان شیخ نجم الدین است"،

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے آپ کو "قاتل کفر" "سیف سیاف" اور "ہالک کفار" لکھا ہے،

مخزن الغرائب کے مؤلف نے آپ کے لئے "زبدۃ الواصلین" اور "قدوۃ المحققین" کے القاب استعمال کئے ہیں، اور پھر رقمطراز ہیں،

"در کشف و کرامات آیتے بودہ و در ذوق و محبت علامتے"

تہتر سال کی عمر میں وفات پائی، تاریخ گزیدہ، نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء میں سالِ وفات ۶۵۸ھ دیا ہوا ہے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن ہفت اقلیم میں ششصد و چہل و ہشت مذکور ہے، آتشکدہ میں ہے کہ

"در ۳۲۹ھ طائر روحش بسدرہ پرواز کرد"

یہ سنہ تو قطعی کتابت کی غلطی ہے،

مزار اقدس بخارا میں فتح آباد کے پاس ہے، امیر تیمور نے ۷۸۸ھ میں مزار اور خانقاہ کے لئے صرف کثیر سے خوبصورت عمارتیں بنائیں، جن کو قیمتی پتھروں سے مزین اور آراستہ کیا، آپ کی اولاد خانقاہ کی سجادہ نشینی عرصہ دراز تک کرتی رہی، اور ممکن ہے کہ اب تک وہاں سے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہو،

معرفتِ الٰہی کے رموز و نکات کو اکثر و بیشتر اشعار کی لڑیوں میں پرو دیتے تھے، اسی لئے شعرا

کے تذکرون مین بھی آپ کا ذکر پایا جاتا ہے،

آپ کا دیوان تو راقم کی نظر سے کہین نہین گزرا، البتہ آپ کی رباعیات کا ایک مجموعہ خدا بخش خان اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ مین دیکھنے کا اتفاق ہوا، ان رباعیات کو کتب خانہ کے بانی خدا بخش خان مرحوم کے لائق اور علم دوست فرزند صلاح الدین خدا بخش خان مرحوم نے ایک جرمن رسالہ مین شائع کرایا تھا، لیکن اب تک کسی اردو رسالہ مین حضرت شیخ سیف الدین یا آپ کی رباعیات پر کوئی مقالہ شائع نہین ہوا، ہم اسی لئے معارف کے ناظرین کی خدمت مین یہ رباعیان پیش کر رہا ہون، شاید اُن کو پسند آئین،

مذکورۂ بالا کتب خانہ مین رباعیات کا جو مجموعہ ہے، اس مین کل ۵۱ رباعیان ہین، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کی بعض رباعیان عمر خیام کے مجموعۂ رباعیات کے مختلف نسخون مین بھی پائی جاتی ہین،

حضرت سیف الدین کی حسب ذیل رباعی خیام کے اُن دونون اڈیشنون مین بھی ملے گی، جو نولکشور پریس لکھنؤ اور مطبع روز بازار امرتسر سے شائع ہوئے ہین،

درعالم خاک و باد چاشیدم و رفت (۱) صد دشمن و دوست برتراشیدم و رفت

با نیک و بد زمانہ ام کارے نیست دارندہ چنانکہ داشت باشیدم و رفت

البتہ خیام کی رباعیات کے مذکورۂ بالا دونون اڈیشنون مین اس رباعی کا پہلا مصرع اس طرح ہے،

درعالم خاک، خاک پاشیدم و رفت

اور دوسرا شعر اس طرح ہے،

با چون و چرائے تو مرا کارے نیست چندانکہ بداشتی بپاشیدم و رفت،[1]

اسی طرح حضرت سیف الدین کی یہ رباعی بھی لکھنؤ اور امرتسر کے دونون اڈیشنون مین ہے،

ہرگز شب سیاہ مادر نشود (۲) تا معصیت از وجود ما در نشود

[1] دیکھو نولکشور پریس، لکھنؤ، اڈیشن ص ۲۶، و امرتسر و اڈیشن ص ۶۲،

پرمی نشود کاسۂ ما از ہوس کاسہ کہ سرنگون بود پر نشود

گرچہ دونون اڈیشن مین خیام کی رباعی کا پہلا شعر اس طرح درج ہے،

شب نیست کہ عقل در تحیر نشود وز گریہ کنار من پر از در نشود

تیسرا مصرع تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اس طرح ہے،

پرمی نشود کاسۂ سر از سودا،[1]

حضرت سیف الدین کی حسب ذیل رباعی رباعیات خیام کے صرف امرتسر اڈیشن مین ملتی ہے،

ہم جز ز ایام نداریم خوشیم (۳) گر چاشت بود شام نداریم خوشیم

چو پختہ بما می رسد از مطبخ عشق از کس طمع خام نداریم خوشیم

دونون مین ..... فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے مصرع مین "ز ایام نداریم" کے بجائے "غم ایام نداریم" اور تیسرے مصرع مین "مطبخ عشق" کے بجائے "مطبخ غیب" ہے،[2]

کتب خانۃ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ مین رباعیات خیام کا ایک قدیم اور نادر مصور نسخہ ہے، جس کی کتابت مشہور و معروف کاتب سلطان علی (المتوفی ۹۱۹ھ) نے ۹۱۱ھ مین کی تھی، اس نسخہ کو تصحیح کر کے جناب مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی محققانہ تصنیف "خیام" کے آخر مین منسلک کر دیا ہے، اس مین بھی بعض رباعیان ایسی ہین، جو حضرت سیف الدین کے مجموعۂ رباعیات مین بھی موجود ہین، مثلاً

گردے کہ بزیر پائے ہر حیوانیست (۴) زلف صنمی و عارض جانانیست

ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانیست انگشت وزیریا سر سلطانیست

یہ ایک مشہور رباعی ہے، جو عام طور سے خیام کے ہر مجموعۂ رباعیات مین ضرور ملے گی، چنانچہ کتب خانۃ الاصلاح کے مذکورۂ بالا نسخہ مین بھی یہ رباعی خفیف سی ترمیم کیساتھ موجود ہے، یعنی پہلے مصرعہ

[1] لکھنؤ اڈیشن ص ۲۶، امرتسر اڈیشن ص ۸۳، [2] امرتسر اڈیشن ص ۱۳۹،

مین "گردے" کے بجائے "خاکے" اور چوتھے مصرع مین "وزیر یا سر" کے بجائے "وزیرے وسر" ہے،[۵۱]

اسی طرح حضرت سیف الدین کی حسب ذیل رباعی بھی دینہ کے نسخہ مین تھوڑے سے فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے،

افعال بدم ز خلق پنہان می کن (۵) دشوار جہان بر دلم آسان می کن
امروز خوشم بدار فردا بامن انچہ از کرم تو می سزد آن می کن

خیام کی اس رباعی کا پہلا شعر اس طرح ہے،

غمہاے جہان بر دلم آسان می کن وافعال بدم ز خلق پنہان می کن

دوسرے شعر مین کوئی فرق نہین،[۵۲]

اب یا تو ہم تسلیم کرین کہ حضرت سیف الدین کی رباعیات کے مرتب نے غلطی سے خیام کی مذکورۂ بالا رباعیون کو مجموعہ مین شامل کر دیا ہے، یا پھر ہم یہ کہین کہ جس طرح دوسرے شعراء کی بعض رباعیان خیام کی رباعیون کے ساتھ خلط ملط ہو گئی ہین، اسی طرح حضرت سیف الدین کی بھی کچھ رباعیان خیام ہی کے نام سے مشہور ہو گئی ہین، مولانا سید سلیمان ندوی اپنی تصنیف خیام کے ص ۲۴۴ کے حاشیہ مین رقمطراز ہین،

سیف الدین باخرزی صوفی شاعر تھے، اور نجم الدین کبری کے مرید تھے ۶۵۸ھ مین وفات پائی، یہ بھی رباعی کہتے تھے، اور ان کی بعض رباعیان خیام کی رباعیون کے ساتھ مخلوط ہین"

مولانائے محترم یہ نہین بتا سکے ہین کہ حضرت سیف الدین کی کون کون سی رباعیان خیام کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہین، لیکن مولانا محترم کی مذکورۂ بالا سطرون کے آخری جملہ سے کم از کم اتنا تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سیف الدین کی رباعیان خیام کی رباعیون سے مخلوط ہین نہ کہ خیام کی رباعیان

---

۵۱ دیکھو خیام از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۲۴۴، ۵۲ ایضاً ص ۶۶۷

حضرت سیف الدین کے ساتھ پھر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اوپر کی پانچ رباعیان حضرت سیف الدین ہی کی ہین جو خیام کے نام سے مشہور ہو گئی ہین، ان پانچ رباعیون کے علاوہ حضرت سیف الدین کی ایک اور رباعی خیام کی طرف منسوب ہے، جس کا ذکر ابھی کچھ سطرون کے بعد آئے گا،

حضرت سیف الدین کے پیش نظر مجموعۂ رباعیات مین کاتب نے رباعیون کو نقل کرتے وقت کوئی خاص ترتیب سامنے نہین رکھی ہے، اس کے علاوہ اس مین آپ کی بعض ایسی رباعیان منقول نہین ہین، جو بعض تاریخون اور تذکرون مین موجود ہین، مثلاً تاریخ گزیدہ کی حسب ذیل رباعی اس مجموعہ مین نہین،

اے مردان[۵۱] ہو واے جوانمردان ہو[۵۲] (۶) مردی کنید[۵۳] و نگاہ دارید سر کو
در تیر[۵۴] آید چنانکہ بشگافد مو[۵۵] زنہار گر از دوست[۵۶] بگردانی رو[۵۷]

مولانا عبدالرحمن جامی نے آپ کی تین رباعیان نفحات الانس مین نقل کی ہین، جن مین ایک تو مذکورۂ بالا مجموعہ مین موجود ہے، لیکن یہ دو رباعیان اس مین نہین ہین،

ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شوم (۷) با عافیت آشنا دمے خانہ شوم[۵۸]
ناگاہ پری رخے بمن برگزرد بر گردم ازان حدیث[۵۹] دیوانہ شوم

گر من گنہ جملہ جہان[۶۰] کردستم (۸) لطف[۶۱] تو امیدست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بوقت[۶۲] عجز دستت گیرم عاجز تر ازین مخواہ کاکنون ہستم

---

۵۱ ہفت اقلیم "امروا ہوی" مخزن الغرائب "اے مردان ہاے" ۵۲ ہفت اقلیم "اے جوانمردان ہو" مخزن الغرائب "وے جوان مردان ہوے" ۵۳ ہفت اقلیم و مخزن الغرائب "مردی کنی و داری سر کوی" ۵۴ ہفت اقلیم "گر تیر یا" ۵۵ ہفت اقلیم و مخزن الغرائب "موی" ۵۶ ہفت اقلیم "زیار" ۵۷ ہفت اقلیم و مخزن الغرائب "روی" ۵۸ ہفت اقلیم کے ایک نسخہ مین "تا عافیت آشنای خمخانہ شوم" ۵۹ "آتشکدہ" "خلق" ۶۰ مخزن الغرائب "عفو تو" ۶۱ "آتشکدہ" "بروز"

موخر الذکر رُباعی کے سلسلہ مین مولانا جامی فرماتے ہین کہ ایک درویش کا جنازہ حضرت شیخ سیف الدین کے سامنے لایا گیا، لوگون نے آپ سے دعاے مغفرت کے لئے کہا تو میت کے پاس آئے، اور اسی وقت یہ رُباعی کہی،

آتشکدہ کے مؤلف نے بھی حضرت سیف الدین کے ذکر مین اس رُباعی کو یہ لکھ کر نقل کیا ہے؛

"در تلقین میتے این رُباعی را خواندہ"

ہفت اقلیم مین بھی یہ رُباعی منقول ہے، اور اس کو نقل کرنے سے پہلے اس تذکرہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"روزے بجنازۂ درویشے حاضر شد، گفتند شیخنا تلقین فرمائید، پیش روے میت آمدہ این رُباعی خواند،

مخزن الغرائب مین ہے کہ حضرت سیف الدین کے زمانہ مین ایک گنہگار شخص نے اپنے مزار پر اعزہ واقربا سے اصرار کرکے یہی رُباعی لکھوائی، تو لوگون نے خواب مین دیکھا کہ اس گنہگار کی بخشائش ہوگئی ہے، یہ رباعی رحمت الٰہی کے طلبگارون کی زبانی اب بھی سننے مین آتی ہے، ۱۹۲۲ء مین جناب سید محمد حسن بلگرامی (صدر محاسب سرکار عالی حیدرآباد دکن) نے خیابان عرفان کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی، جس مین مشاہیر شعراء کی عارفانہ رُباعیات ہین، اس کتاب مین آخرت و رحمت الٰہی کا جو باب ہے، اس مین خیام، رفیع واعظ، بہائی آملی، سحابی استرآبادی، ابو سعید، حسن دہلوی، حاجی بابا افضل کوہی، شہر ابن یمین، حکیم قاآنی، ظہیر فاریابی، حکیم رکنا ے کاشی، عرفی شیرازی، علی حزین، طالب آملی وغیرہ کی رُباعیون کے ساتھ حضرت سیف الدین باخرزی کی مذکورۂ بالا رُباعی بھی ہے، لیکن یہی رُباعی تھوڑے سے تغیر کے ساتھ خیام کی طرف بھی منسوب ہے، خیام کے مجموعۂ رباعیات مین یہ رُباعی اس طرح درج ہے،

گر من گنہ روے زمین کردستم
عفو تو امیدست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم
عاجز تر ازین مخواہ کاکنون ہستم

اب ظاہر ہے کہ مختلف تذکرون کی جو سند ابھی ہماری نظر سے گذری ہے، اس کی بنا پر بلاخوف تردید یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ رُباعی حضرت سیف الدین ہی کی ہے، خیام کی نہین ہے،

آتشکدہ مین ایک تو وہی رباعی ہے، جو میت کے سلسلہ مین کہی گئی، دوسری حسب ذیل ہے، جو حضرت سیف الدین کے زیر نظر مجموعۂ رُباعیات مین نہین ہے،

تا کے بروا این جور وجفا کردن تو (۹)
بیہودہ دل خلایق آزردن تو
تیغی ست بدست اہل دل خون آلود
گردر تو رسد خون تو در گردن تو

ہفت اقلیم مین حضرت سیف الدین کی پانچ رباعیان ہین جن مین سے ایک بھی آپ کے پیش نظر مجموعہ مین نہین، ان پانچ رباعیون مین ایک تو وہ ہے جو اوپر تاریخ گزیدہ سے نقل کی گئی ہے، دو وہ ہین جو نفحات الانس مین بھی ہین، ایک وہ ہے جو آتشکدہ مین بھی ہے، بقیہ ایک رُباعی ملاحظہ ہو،

اے نالۂ پیر[۱] خوشہ پوش از غم تو (۱۰)
وے نعرۂ رند بادہ نوش[۵] از غم تو
فریاد[۳] وفغان نے[۲] فروش از غم تو
در میکدہ با جوش وخروش[۴] از غم تو

صبح گلشن (مؤلفہ نواب علی حسن خان) مین دو رباعیان ہین، جو غالبًا نفحات الانس ہی سے لی گئی ہین، ان مین سے ایک تو مذکورۂ بالا مجموعہ مین ہے، دوسری نہین ہے، نفحات الانس مین ہم دو رباعیان اوپر نقل کرچکے ہین، ان دونون مین سے پہلی رُباعی صبح گلشن مین بھی ہے،

---

[۱] مخزن الغرائب "بر" [۲] ایضاً "نے فروش" [۳] ایضاً "نخان وفغان" [۴] ایضاً "بادہ نوش" [۵] ایضاً "خون در رگ عاشقان بجوش از غم تو"

مخزن الغرائب مین حضرت سیف الدین کی دس رباعیان درج ہین جن مین سے صرف ایک زیر نظر مجموعہ مین ہے، بقیہ نو نہین ہین، ان نو رُباعیون مین سے ایک تو تاریخ گزیدہ کی ہے، اور دو نفحات الانس، ایک آتشکدہ، اور ایک ہفت اقلیم کی ہے، بقیہ چار حسب ذیل ہین،

(۱۱) برکس غم و رنج این تن خس ننهم — وز پیش قناعت قدمے پس ننهم
چون بار کسے کشیدن نتوانم — بارے کم از آنکه بار بر کس ننهم

(۱۲) بگذرید یار بارم اے پیک شمال — بر خاک رهش بجاے من چهره بمال
در قصه حال من کند از تو سوال — قل مات من الهجر علیٰ اصعب حال

(۱۳) کردم بطوافِ خانه یار آهنگ — سنگے دیدم نهاده آنجا بر سنگ
چون بوده تهی زیاد ذاکر ذوننگ — واگر دیدم سنگ زنان بر دل تنگ

(۱۴) برسنگ قناعت از عیاری داری — از ننگ دو جهان کنار می داری
کر با همه کس بهر خلاقی که رود — در کار شوی دراز کاری داری

اوپر کی سطرون سے یہ معلوم ہوا ہوگا، کہ حضرت سیف الدین کے مجموعۂ رُباعیات مین تو صرف ۵۱ رُباعیان ہین لیکن ان کے علاوہ مختلف کتابون مین ۹ رباعیان اور منقول ہین، اس طرح کل ملاکر ۶۰ رباعیان اس وقت میرے سامنے ہین، اور اُن کے پڑھنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پر وقتاً فوقتاً جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اُن کا اظہار رباعیات مین فرما دیا کرتے تھے، صوفیہ حضرات کو اپنی ریاضت وعبادت اور ذکر وفکر سے اتنی فرصت نہین ملا کرتی کہ وہ شعرگوئی کی طرف متوجہ ہون لیکن جب کبھی اُن کو فرصت مل جاتی ہے، تو وہ اپنے قلبی واردات، ذہنی خیالات اور صوفیانہ حقائق کے لئے صرف رُباعیات ہی کو پسند کرتے ہین، اس کی خاص خاص وجوہ یہ بھی ہین، کہ تصوف وحکمت کے مختصر ومتفرق خیالات اور قلبی واردات وکیفیات کو سمیٹ کر رُباعیون مین آسانی سے ادا کیا جاسکتا ہی،

پھر رُباعی کا وزن کچھ ایسا لطیف اور دلپذیر ہے کہ اُس مین غنائیت اور موسیقی کا بھی لطف آجاتا ہے، جو صوفیہ کے حلقۂ سماع کے لئے موزون ہوتا ہے، غالباً حضرت بایزید بسطامی (المتوفی ۲۳۲ھ) پہلے صوفی ہین، جنھون نے رُباعی کہنی شروع کی، اُن کے بعد یہ صنفِ سخن صوفیہ کی مجالس مین ہمیشہ مقبول رہی، خود حضرت سیف الدین باخرزی کے مرشد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی طرف بھی بہت سی رباعیان منسوب ہین، مثلاً منافقت وریا کی مذمت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہین،

قلاش و سیه گلیم و عاشق بودن — میخواره و بت پرست و فاسق بودن
در کنجِ خرابات موافق بودن — به زانکه بخرقه در منافق بودن

اسی طرح دنیا طلبی کے متعلق فرماتے ہین؛

دنیا طلبان ز حرص مستند همه — موسیٰ کش و گوساله پرستند همه
هر عهد که با خداے بستند همه — از بهر درست زر شکستند همه

شاید حضرت سیف الدین نے اپنے مرشد کی تقلید ہی مین رُباعیان کہنی شروع کی ہون، آپ کی رُباعیون مین عشقِ الٰہی کی بڑی گرمی ہے، تاریخ گزیدہ کے مؤلف نے آپ کے کلام کی تعریف مختصر الفاظ مین یہ کی ہے، کہ

"سخنانِ شور انگیز دارد"

لیکن اس شور انگیزی کے باوجود کہین ایسی سرمستی، بیخودی، اور سکری کیفیت کا اظہار نہین ہے جو علمبردارانِ شریعت کے لئے گران ہو، اور پھر اس شور انگیزی مین جو کچھ کہنا چاہتے ہین، وہ اس قدر صاف اور واضح ہوتا ہے کہ معانی ومطالب کے سمجھنے مین کوئی دقت پیدا نہین ہوتی، بعض اوقات ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایہ مین بیان فرماتے ہین، لیکن ہر پیرایہ مین ایک خاص قسم کی تاثیر اور کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً رحمتِ الٰہی کے سلسلہ مین کہنا چاہتے ہین کہ درِ رحمت ہمیشہ کھلا رہتا ہے، اور

اس در سے کوئی محروم واپس نہین جاتا تو فرماتے ہین،

اے ستر تو در سینۂ ہر صاحب راز (۱۵) پیوستہ در رحمت تو بر ہمہ باز
ہر کس کہ بدرگاہ تو آید بہ نیاز محروم ز درگاہ تو کے گردد باز

اس رحمتِ الٰہی کے طلب گار ہوتے ہین تو اس طرح کہ

اے لطفِ عمیم تو خطا پوشِ ہمہ (۱۶) وے حلقۂ بندگیت در گوشِ ہمہ
بردار خدایا ز کرم بارِ گناہ در روز فرو ماندگی از دوشِ ہمہ

لطفِ الٰہی اور کرمِ الٰہی کی بدولت گل و خار اور مست و ہشیار یکسان ہوجاتے ہین،

اے لطف تو امسال ہمان پارسال (۱۷) در باغ تو گل ہمان بود خار ہمان
زان بر ہمہ کس کشادہ باد در تو تا مست ہمان آید و ہشیار ہمان

رحمتِ بیکران کی مصوری کرتے ہوئے فرماتے ہین،

ہر نقطہ کہ در دائرۂ قسمت اوست (۱۸) بر حاشیۂ مائدۂ نعمت اوست
در سینۂ ہر ذرہ اگر بشگافند دریا دریا جہان جہان رحمت اوست

ایک اور نئے انداز مین رحمتِ الٰہی کے طالب ہوتے ہین،

ہستم بجہت توشۂ درویش (۱۹) غرقِ گنہ و امید رحمت در پیش
با ما بنگر کہ چون گنہ شود آنرا سازی بہانۂ رحمتِ خویش

اپنے گناہون کی کثرت اور ان کی گرانی کا اظہار کرکے ایک خاص لطیف انداز مین عفوِ الٰہی کے خواستگار ہوتے ہین،

دارم گنہان ز قطرۂ باران بیش (۲۰) دل ہست مرا ازین تشویش خستہ و ریش
با ما کرمش گفت ہلا اے درویش تو در خور خود کنی و ما در خور خویش

عشقِ الٰہی مین ساری چیزون سے بے فکر ہوکر خوش و خرم ہی رہنا چاہتے ہین، خواہ زمانہ کھانے کو ایک جو بھی نہ دے، صبح کو شام کی فکر رکھنا نہین چاہئے اور ہر قسم کی طمع سے آزاد ہوکر صرف خوش ہی نظر آنا چاہتے ہین، آپ کے خیال مین عشقِ الٰہی ہر چیز کا خود ہی ضامن ہے، چنانچہ فرماتے ہین،

یکجو از ایام نداریم خوشیم (۲۱) گر چاشت بود شام نداریم خوشیم
چون پختہ بما میرسد از مطبخِ عشق از کس طمع خام نداریم خوشیم

آخر وقت تک عشقِ الٰہی مین مبتلا رہ کر دردِ عشق کو اپنا ندیم، نالۂ عشق کو اپنا مطرب، غمِ عشق کو گزک، خونِ جگر کو شراب اور اپنی آنکھون کی پتلی کو ساقی بنانا چاہتے ہین،

با عشق تو عہد جان ما مشتاقیت (۲۲) مائیم و غمِ عشق تو تا جان باقیست
غم نقل و ندیم درد و مطرب نالہ مے خونِ جگر چشم ساقیست

عشقِ الٰہی کے غمِ جان گداز سے جو جنون پیدا ہوجاتا ہے اس مین بھی لطف و لذت محسوس کرتے ہین

سبحان اللہ شگرف کارے غمِ تو (۲۳) برخستہ دلم عظیم بارے غمِ تو
گفتی کہ غمم منت چنین مجنون کرد آرے غم تو غم تو آرے غم تو

عشقِ الٰہی کے غم مین دیدۂ خونبار کے قائل ہین، اور پھر اس بارِ غم کو تنہا اٹھانا چاہتے ہین، تاکہ دوسرون کے لئے غم ہی باقی نہ رہے،

اندیدۂ سنگ خون چکاند غم تو (۲۴) بیگانہ و آشنا چہ داند غم تو
دم در کشم و ہمہ نعمت نوش کنم تا از پس من بکس نماند غم تو

وحدانیت کا تصور پیش کرتے ہوئے فرماتے ہین

بر تخت وجود ہر کہ صاحب جاہ ست (۲۵) و راسوے عالم حقیقت راہ ست
ہر نور یقین کہ در دل آگاہ ست از گفتنِ لا الٰہ الا اللہ ہست

سلہ یہ شعر مخزن الغرائب مین بھی ہے، لیکن "چہ داند" کے بجائے "نداند" ہے،

آخرت کی یاد کے ساتھ اعمال کی پشیمانی پیدا ہوتی ہے، تو آہ و فریاد کرنی چاہتے ہیں،

اے دل چہ بود کہ ترک بیداد کنی (۲۶) از منزل آخرت یکے یاد کنی

گر نامۂ اعمال ترا بنمایند بینی و ہزار آہ و فریاد کنی

فرماتے ہیں کہ درویش ہونا یا دانشمند ہونا بے سود ہے، اگر ان صفات کے ساتھ کوئی واقعی مسلمان نہیں، اور مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو، اور ہر بری عادت پر پشیمان ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہو، اس خیال کو کتنے موثر طریقہ پر ادا کیا ہے،

اے دل تو دمے مطیع سبحان نشدی (۲۷) وز خوے بدت ہیچ پشیمان نشدی

درویش شدی و زاہد و دانشمند این جملہ شدی و لے مسلمان نشدی

مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی دل آزاری نہ کرے اور اسکی تلقین بڑی بلند آہنگی کے ساتھ کرتے ہیں،

بے علم و عمل بہشت یزدان مطلب (۲۸) بے خاتم دین ملک سلیمان مطلب

چون عاقبت کار رضا خواہد بود آزار دل ہیچ مسلمان مطلب

منافقت کو کفر سے بھی بدتر قرار دیا ہے، یا تو مومن صادق ہونا چاہئے، یا کافر، فرماتے ہیں،

اے دل اگر ہمی موافق باشی (۲۹) اندر رہ دین مومن صادق باشی

یا مومن پاک باش یا کافر صدق کافر باشی بہ کہ منافق باشی

منافقت کی مذمت حضرت سیف الدین کے مرشد حضرت نجم الدین کبریٰ نے بھی اپنی ایک رباعی میں کی ہے، جس کو ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں،

ایک زاہد اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، تو اس کو اپنی ساری عبادت و ریاضت بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہے، اور زندگی پر از معصیت نظر آتی ہے، اسی بات کو حسب ذیل دو رباعیوں میں دو

مختلف پیرایے میں پیش کرتے ہیں،

فسق است و فساد ورد ہر روزۂ ما (۳۰) پر شد ز حرام کاسہ و کوزۂ ما

می خندد روزگار و می گرید عمر بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

عمرم ہمہ بیہودہ و گنہ می بینم (۳۱) سر تا سر نامہ را سیہ می بینم

در مزرعۂ خود نکشتہ ام تخم نکو کشتم بدرو رسید و کہ می بینم

دنیا کو ہر حال میں فانی سمجھنے کی تلقین فرماتے ہیں، اور بہت ہی موثر طریقہ پر یہ لکھتے ہیں، کہ انسان کو خواہ کیسا ہی جاہ و حشم حاصل ہو، اس کو قبر کے اندر جانا ہے،

با قوت پیل مور می باید بود (۳۲) با ملک دو کون عور می باید بود

گیرم کہ تو سر فراز عالم شدۂ آخر بزیر گور می باید بود

ان رباعیات میں اس دنیائے فانی کے دو رخ اور ملاحظہ ہوں،

دنیا گذرانست بہ ہر بیش و کمی (۳۳) خواہش بشادی گذران خواہ غمی

زین منزلت البتہ ہمی باید رفت خواہی بہزار سال و خواہی بدمی

افسوس کہ مرغ عشق را دانہ نماند (۳۴) امید بہیچ خویش و بیگانہ نماند

دردا و دریغا کہ درین مدت عمر از ہر چہ بگفتیم جز افسانہ نماند

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت سیف الدین باخرزی کی بعض رباعیات خیام کی رباعیوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئی ہیں، اور یہ آپ کے ایک بلند پایہ شاعر ہونے کی دلیل ہے کہ خیام جیسے قادر الکلام اور مسلم الثبوت شاعر کے نام سے آپ کی رباعیاں منسوب ہو گئیں، اور بعض اچھے سے اچھے دیدہ ور اہل نظر بھی ان میں فرق محسوس نہ کر سکے، حضرت سیف الدین کی بعض رباعیوں کے طرز ادا میں خیام ہی کی جھلک موجود ہے، گو آپ کا رنگ خالص مذہبی اور صوفیانہ ہے، اس لئے معانی و مطالب میں فرق ہو جاتا ہے، خیام

کی ایک رُباعی ہے،

گویند بہشت و حورِ عین خواہد بود　　آنجا مئے ناب و انگبیں خواہد بود

ما بادہ و معشوق ازانیم مقیم　　چون عاقبت کار ہمین خواہد بود

خیام کی یہ رُباعی بظاہر بہت ہی رندانہ ہے، لیکن حضرت سیف الدین نے اس ردیف میں جو ایک رُباعی کہی ہے، وہ بہت ہی عارفانہ ہے، ملاحظہ ہو،

گرچہ زگنہ وجست دجو خواہد بود　　(۳۵) آن یارِ عزیز تندخو خواہد بود

از خیرِ محض جز نکوئی ناید　　خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

خیام کی حسب ذیل رُباعی میں اُس کی شراب کو شرابِ معرفت، نالۂ نے کو نالۂ دل، بُتِ دلفریب کو معشوقِ حقیقی سمجھا جائے، تو اس میں فلسفیانہ اور صوفیانہ باتیں پیدا ہوجاتی ہیں،

در نالۂ قرابہ غلغلِ مے چہ خوشست　　وین زاری زار نالۂ نے چہ خوشست

در ہر بتِ دلفریب دور مے ناب　　فارغ زغمِ زمانہ ہے ہے چہ خوشست

لیکن اسی ردیف میں حضرت سیف الدین نے معرفتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کا جو پیغام دیا ہے، وہ بہت ہی واضح اور موثر بھی، ملاحظہ ہو،

در قدرتِ حق نظارہ کردن چہ خوشست　　(۳۶) وز مردم بد کنارہ کردن چہ خوشست

آن دل کہ در و مہرِ الٰہی نبود　　آن دل ہزار پارہ کردن چہ خوشست

خیام کی ایک رُباعی یہ ہے،

گویند مرا کہ مے پرستم ہستم　　گویند مرا عارفِ و مستم ہستم

در ظاہرِ من نگاہ بسیار مکن　　کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

شاید خیام کی اسی رُباعی کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت سیف الدین نے اپنی حسبِ ذیل رُباعی لکھی تھی، گو

مفہوم دونوں کا مختلف ہے،

گفتم کہ ما ز فقرائیم و نہ ایم　　(۳۷) از راہ روان پارسائیم نہ ایم

آراستہ ظاہریم و باطن نہ چنان　　افسوس چنانکہ می نمائیم نہ ایم.

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت سیف الدین باخرزی نہ صرف ایک برگزیدہ اور جلیل القدر بزرگ تھے، بلکہ ایک ایسے بلند پایہ شاعر بھی تھے، جن کی بعض رُباعیون کو خیام کی رُباعیاں سمجھکر لوگ ذوق و شوق سے پڑھتے اور سر دھنتے رہے، اب جب کہ آپ کی اکثر و بیشتر رباعیان ہمارے سامنے ہین اُن کو پڑھکر ہم مذہبی تسکین بھی حاصل کر سکتے ہین اور روحانی سکون بھی، اور اخلاقی پند و موعظت بھی، اب تک ہم آپ کی ۳۰ رباعیان نقل کر چکے ہین، البقیہ اور ۴۳ رباعیاں بھی ملاحظہ ہون،

ہر شب بمثالِ پاسبانِ کویت　　(۳۸) می گردم گردِ آستانِ کویت

باشد کہ برآید اے صنم روزِ حساب　　نامم ز جریدۂ سگانِ کویت

بگرفت بدست زلفِ چون شستش را　　(۳۹) بشکست بشست نرگسِ مستش را

امید من آنست بزودی ز بدیر　　چشم ترا دخشک کند کشتش را

ولہا خراب ما عمارت کہ کند　　(۴۰) وین کردہ گناہ ما کفارت کہ کند

ما بر سر خاکہا زیارت کردیم　　تا بر سر خاکِ ما زیارت کہ کند

دستار من و کفش من و جبہ بہم　　(۴۱) قیمت کردند یک درم چیزے کم

آوازۂ من شنیدہ اند در عالم　　من خاک ہم و خاک رہ چیزے کم[1]

در گفتن ذکرِ حق زبان از ہمہ بہ　　(۴۲) طاعت کہ زشب کنی نہان از ہمہ بہ

خواہی کہ ز پل صراط آسان گذری　　. نان دہ بجہانیان کہ نان از ہمہ بہ

---

[1] یہ رباعی نفحات الانس میں بھی ہے،

رد کردهٔ ما قبول کس کم یابد (۴۳) پذرفتهٔ ما حیات سرمد یابد
هر کس که بما کند تولا روزے عیش و طرب دو نشأه هر دم یابد

از زنده دلی دود اله بر دهٔ یله کن (۴۴) مرآت وجود شود خود سره کن
هر صبح باخلاص بیا بر در ما مقصود تو بر نیابد انگه گله کن

زنجیر در سرای شاهی مائیم (۴۵) مرآت جواهر الٰهی مائیم
از ماه نشسته تا بماهی مائیم با این همه نور در سیاهی مائیم

گر رهبر تو طبع بد آموز بود (۴۶) بد نجم اگر بخت تو فیروز بود
تو خفته لهو و شب عمرت کوتاه ترسم که چو بیدار شوی روز بود

جان در تن مرد بے ادب ارزانست (۴۷) گر زر بدهی ادب خری ارزانست
از بے ادبی کسے بجائے نرسید حقا که ادب تاج سر مردانست

دانی چه بود خمر خرابات نخست (۴۸) اسپ دگر و کلاه در بازی چست
چون مست شوی پا تو میگرد درست گویند نشیں هنوز باقی بر تست

گه همدم یار نازنینم کردی (۴۹) گه با غم و درد همنشینم کردی
نایافتم از گم شده خویش نشان مشهور همه روے زمینم کردی

ناکس چو بعیوق رسد پیشش گیر (۵۰) آزاده اگر فرو فتد دستش گیر
مست ار ادبی نمود هشیارش دان هشیار که بے ادب بود مستش گیر

جانا اگرم هزار جان خواهد بود (۵۱) فرمان تو بر جمله روان خواهد بود
باهر دم اگر بهیچ سادی کردم تا بوے تو در جهان خواهد بود

مستوفی عشقت منار وز نخست (۵۲) تحصیل غمت بنام من کرد درست

انگاه برات اشک بر دیم راند غم باقی کرد و گفت در عهدهٔ تست

آنست بتحقیق مثال دل دوست (۵۳) میدار بخاطر که مثال نیکوست
گر صاف بود نهان ندارد ز تو هیچ ور تیره بود نهان هر چه در وست

گر طاعت خود نقش کنم بر نانے (۵۴) وان نان بنهم پیش سگے بر خوانے
آن سگ سالے گرسنه در کهدانی از ننگ بران نان نزند دندانے

این اسپ قلندری همه تاخته نیست (۵۵) وین مهرهٔ انجمن همه باخته نیست
گر کافر و مومنت بره پیش آید از روے نیاز با همه ساخته نیست

پیدا شده اے رفیق دوری که مپرس (۵۶) ور ناکس و کس رسید جوری که مپرس
یارے که ازو توقع پرسش بود پرسید مرا دلی بطوری که مپرس

عشق است که شیر نر زبون آید ازو (۵۷) کاریست که هر کار برون آید ازو
گر دوستی کند گه جان افزاید گر دشمنی کند بوے خون آید ازو

آن خال بران روے دل افروز نگر (۵۸) بر هر چه مراد اوست فیروز نگر
مانند شب سیاه دل سوختگان سر بر زده از میانهٔ روز نگر

با محنت و اندوه قرینم کردی (۵۹) محتاج بیک نان جوینم کردی
این مرتبهٔ مقربان در تست آیا بچه خدمت این چنینم کردی

سیفا ز جفاے دهر بسیار منال (۶۰) هرگز مکن از زمانه اظهار ملال
کین دولت دیگران وین محنت تو چون نیک نگه کنی خیال است خیال

اقبال اور برگسان

از
جناب ڈاکٹر عشرت حسن صاحب انور ایم، اے، پی، ایچ، ڈی،
لکچرار فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

اقبال جیسا کہ انھون نے بعض مقامات پر خود اعتراف کیا ہے برگسان سے بہت متاثر ہین، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ انھون نے سب کچھ برگسان کے فلسفہ ہی سے اخذ کیا ہے یا یہ کہ انھون نے برگسان کے فلسفہ کو ذاتی نقطۂ نگاہ سے پرکھے ہوئے بغیر تسلیم کر لیا ہے، اس مضمون مین یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ کس حد تک برگسان کے ہمنوا ہین اور کس مقام پر پہنچکر وہ برگسان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہین،

اقبال، کانٹ، اور برگسان کی طرح فلسفہ کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حقیقت کا ادراک عقل و فکر کے ذریعہ قطعی ناممکن ہے، یہ بات سب سے پہلے کانٹ نے کہی تھی اور اپنی کتاب "حکمت نظری" (Pure Reason) مین اس نے مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ حقیقت کا ادراک بغیر کسی دلیل کے ہی ہو سکتا ہے مگر اسی ایک بات کو ثابت کرنے مین مذکورۂ بالا تینون فلسفیون نے تین مختلف دلیلین دی ہین اور تین مختلف نتائج اخذ کئے،

کانٹ کے نزدیک حقیقت کا ادراک اس لئے ناممکن ہے کہ عقل ایک مقام پر پہنچکر متضاد دعاوی (Antinomies) پیش کرتی ہے اور یہ فیصلہ نہین کیا جا سکتا کہ ان مین سے کون سی بات تسلیم کی جائے اور کون سی رد کی جائے، دونون متضاد دعوے درست معلوم ہوتے ہین اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ناممکن ہو جاتا ہے،

مثلاً باری تعالیٰ کا وجود عقل کے نزدیک ثابت بھی ہے اور غیر ثابت بھی، اس کے وجود کو واجب بھی ثابت کر سکتے ہین اور ممکن اور غیر ضروری بھی، فلسفہ ان دونون امکانات کے درمیان ہی ایک مقام کا مستحق ہے ؎

تڑپ رہا ہے فلاطون میان غیب و حضور (اقبالؔ)

اس لئے فلسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ حقیقت کی تلاش مین کامیاب ہوا ہے اس طرح فلسفہ کا اصلی مقصد صرف یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کو اپنی عقل کی محدود رسائی کا علم ہو جائے یا زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو جائے کہ حقیقت کے جاننے کی سعی مین عقل کی پرواز کہان تک ہو سکتی ہے، بالفاظ دیگر فلسفہ کا صرف یہی کام ہے کہ ہم کو ہمارے جہل سے آگاہ کر دے اور ان حدود کو مقرر کر دے جہان سے آگے عقل و حکمت کے پر جلتے ہین، اس طرح کانٹ نے عقل و حکمت کی تردید کیلئے عقل و حکمت ہی کو استعمال کیا،

برگسان نے بھی کانٹ کی طرح عقل کو محدود قرار دیا ہے اور مروجہ فلسفہ کو حقیقت سے آگاہ ہونے کے قابل تصور نہین کیا، کیونکہ عقل نہایت محدود ہے، برگسان کے نزدیک عقل کی تردید کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی مسافت طے کرنے کی ضرورت نہین، بلکہ صرف گردن جھکا کر اپنی حقیقت پہچان لینا کافی ہے، عقل تو حقیقت نفسی کا ادراک کر کے ہماری ذات تک کا اقرار نہین کر پاتی، اس کے نزدیک ہماری ذات ایک نقطۂ موہوم کی طرح ہے، مثلاً ڈیکارٹ (Descartes) نے جب تعقل کے ذریعہ ذات انسانی کی حقیقت کو سمجھنا چاہا تو اس سے آگے اور کچھ نہ کہہ سکا کہ یہ ایک "غیر مادی نقطہ" کی طرح یا ایک "غیر مرئی جوہر" کی طرح ہے، مگر یہ نقطہ اگر در اصل "نقطہ" ہے تو پھر غیر مادی کس طرح ہو سکتا ہے، اور اگر جوہر ہے تو غیر مرئی کیونکر ہے، یہ کچھ پتہ نہین چلتا، نیز ذات شخص تو کیفیات و حالات و احساسات کا ایک مجموعہ ہے اس لئے یہ کہنا کہ یہ ایک نقطہ ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، نقطہ کے لفظ سے تو یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ ذات نفس کو ایک ایسی وحدت سمجھا گیا ہے جو کثرت احوال کا کسی طرح پتہ نہین دیتی اس لئے نفس ذات کے ادراک مین بھی عقل اسی قدر عاجز ہے جس قدر حقیقت اولیٰ کے ادراک تک پہونچنے

میں بے دست و پا تھی،

برگسان نے انتہائی خلوص کے ساتھ اس پر غور کرنا شروع کیا کہ عقل کی اس نارسائی کو دیکھ کر کیا کانٹ کی طرح یہ کہا جائے کہ حقیقت کو جاننے کی کوشش لاحاصل ہے یا اس کوشش سے دست بردار ہو کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں، گو عقل کی رسائی معلوم تھی مگر فطرت انسانی کانٹ کے نتائج پر کسی طرح قانع نہیں ہوتی، عقل محدود سہی اور عقل کے ذریعہ انکشافِ حقیقت ناممکن سہی لیکن آیا تعقل کے علاوہ کوئی اور ذریعہ انکشاف حقیقت کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اگرچہ کانٹ نے اس سوال کو اس طرح نہیں اٹھایا تھا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کا دل بھی اس کے اپنے پیدا کردہ نتائج سے بہت حد تک مطمئن نہ تھا، باری تعالیٰ کا وجود، انسانی خودمختاری کا مفروضہ اور حیات بعد الموت کا عقیدہ عقل کے ذریعہ ثابت نہیں ہوتا، لیکن عقل ان کا انکار بھی نہیں کر سکتی، اتنا کہہ دینے کے بعد ایک حد تک کانٹ بھی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ایک نئی روشنی کا متمنی تھا، اگر عقل ان حقائق کا سرے سے انکار ہی کر دیتی ہوتی تو شاید ان کو سمجھنے کی مزید کوشش بے معنی ہوتی مگر وہ ان کا نہ پورے طور پر انکار ہی کر سکتی ہے اور نہ اقرار اس لئے ان حقائق کو سمجھنے کی سعی کو ختم کر دینا عقل کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہوگا، کانٹ نے بھی انسانی عقل کی حدود کو متعین کر دینے کے بعد پھر یہ سوال اٹھایا تھا کہ آیا انسان نرا عقل کا پتلا ہے یا کچھ اور بھی، اور اس کے جواب میں کہا تھا کہ انسان حکمت نظری Pure-Reason کے علاوہ حکمت عملی Practical Reason کا بھی حامل ہے،

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے (اقبالؒ)

انسان میں جس طرح حقائق کی تلاش کا جوہر پنہاں ہے، اسی طرح اس میں کانٹ کے نزدیک ذوق عمل اور تعمیر و تکمیل ذات کا شوق بھی مضمر ہے، اگر انسان اپنے فطری عقلی رجحانات کی بنا پر جس طرح بعض حقائق کو حقائق سمجھنے

پر مجبور ہے اسی طرح اپنے فطری عملی رجحانات کی بنا پر اس بات پر بھی مجبور ہے کہ اپنے کردار کی اعلیٰ ترین تکمیل کرے، اگر انسان موخر الذکر فطری رجحان کا صحیح طور پر جائزہ لے تو بہت جلد محسوس کرے گا کہ وہ مفروضات کے بغیر (کانٹ کے نزدیک یہ صرف مفروضات ہی ہیں) تکمیل ذات بڑی حد تک مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اوّل یہ کہ نفس انسانی زندۂ جاوید ہے، اس لئے تعمیر اخلاق و تکمیل ذات کی وہ کوشش جو زندگی میں شروع کی جاتی ہے کسی نہ کسی طرح موت کے بعد بھی جاری و ساری تصور کی جائے، دوسرے یہ کہ تکمیلِ ذات کی کوشش نہ صرف یہ کہ جاری رہے بلکہ جزا و سزا کی مستحق بھی قرار دی جا سکے اور اس جزا اور سزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک ہستی کو تسلیم کیا جائے جو جزا و سزا کے فرائض انتہائی منصفانہ طور پر انجام دے سکے، اس قسم کے فرائض کی انجام دہی اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ ہستی خبیر و بصیر ہو اور یہ جان سکے اور دیکھ سکے کہ ہمارے اعمال کس قدر جزا یا سزا کے مستحق ہیں اور قادر مطلق ہو تا کہ جزا و سزا پر اس کو پورا اختیار حاصل ہو،

مذکورۂ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کانٹ بھی ایک حد تک عقل کے نتائج سے مطمئن نہ ہو سکا تھا اور عقل کی حدود سے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ کر رہا لیکن چونکہ اس کا مقصد صرف اسی قدر تھا کہ عقل کی حدود کو متعین کر دے اس لئے اس نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ حکمت عملی کے مفروضات (یعنی خدا یا ذات نفس یا ذات شخص کی خودمختاری یا حیات بعد الموت ثابت بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور اس نے ان حقائق کو مفروضات کے نام سے ہی موسوم کیا اور بتایا کہ اگرچہ حکمت نظری (Pure Reason) ان حقائق کو ثابت کرنے سے عاجز ہے لیکن حکمت عملی Practical Reason ضرور ان حقائق کا اثبات کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد بھی نتیجہ بہرحال وہی رہا جو پہلے تھا یعنی حقیقت کا ادراک عقل و حکمت کے ذریعہ میسر نہیں ہوتا، اور یہ جان لینے کے بعد بھی حقیقت کی جو تشنگی باقی رہتی ہے اس کا علاج کانٹ کے یہاں موجود نہیں،

برگسان نے اسی تشنگی کی سیرابی کے لئے چارہ جوئی کرنا شروع کی، کانٹ کے نتائج حقیقۃً درست بھی تھے اور بہت خلوص اور درد کے ساتھ عقل و حکمت کے تحت اخذ کئے گئے تھے، لیکن ان نتائج کے بعد یہ ضروری تھا کہ فلسفہ و حکمت کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، یا جب فلسفہ و حکمت حقیقت کی تلاش میں کامیاب نہیں تو پھر حقیقت کی تلاش ہی کو کیوں نہ ختم کر دیا جائے، لیکن اگر فطرتِ انسانی اس کی متحمل نہیں، تو پھر حقیقت کے انکشاف کیلئے کوئی دوسرا ذریعہ اختراع کرنا ضروری ہے،

برگسان اس پر مصر رہا، اور کانٹ کے نتائج کے باوجود ناامید ہو کر بیٹھ نہیں گیا بلکہ حقیقت کی تلاش میں برابر سرگرداں رہا، اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کے لئے حقائق کو سمجھنے کے لئے کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا ہوگی، اور آگے چل کر ایسا ہی ہوا،

برگسان اسی جستجو میں تھا کہ اس کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنی حقیقت اور اپنی ذات سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے، اور ایسا معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت اس کے لئے منکشف ہوتی جا رہی ہے، یہ کس طرح عقل و حکمت کے تحت نہیں بلکہ ذات نفس سے انتہائی قرب کے حصول سے، برگسان نے اس ذات نفس سے اس قرب، موافقت، اور مطابقت کو "وجدان (Intuition)" کے نام سے تعبیر کیا ہے، اس کے ذریعہ ذات نفس کے تمام رموز اظہر من الشمس ہو گئے، اور ذات نفس کے وہ رموز جن کی عقدہ کشائی سے تعقل و حکمت عاجز تھی، وجدان کے ذریعہ واضح ہوتے ہوئے معلوم ہوئے، اور وہ حقائق جن کے ادراک سے آج تک حکما، و فلاسفہ محروم رہے تھے، اور جو تعقل و تفکر اور حواس خمسہ کے ذریعہ کسی طرح سمجھ میں نہ آسکتے تھے، اب اس طرح روشن و واضح ہو گئے کہ ان میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش اور ان کے ثبوت کے لئے کسی دلیل و برہان ہی کی ضرورت باقی نہیں رہی،

ذات نفس کو وجدان حاصل ہونے کے بعد برگسان نے اس وجدان کی نوعیت اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی، اس نے محسوس کیا کہ وجدان مندرجۂ ذیل خصوصیات کا حامل ہے:۔

(۱) ذات نفس سے عرصۂ دراز تک گہرا تعلق، قرب اور مواصلت رکھنے سے وجدان میسر ہو سکتا ہے، انتہائی فکرمندی یا دردمندی کی صورت میں یہ قرب کسی قدر آسان ہو جاتی ہے،

(۲) وجدان علم کا بہت ہی معتبر ذریعہ ہے، وجدان میں حقیقت براہ راست منکشف ہوتی ہے، اس کے برعکس عقل و فکر کے ذریعہ حقیقت کا علم نہ براہ راست ہو سکتا ہے اور نہ یقینی کہا جا سکتا ہے،

(۳) وجدان کسی شئے یا حقیقت کی تہ تک پہنچنے کا نام ہے، اس لئے عقل و فکر کے بالکل متضاد ہے، عقل و فکر تو کسی شئے کا محض بیرونی طواف کرتی ہے، اس کے ذریعہ شے کی تہ تک پہنچنا قطعی ناممکن ہے،

(۴) تعقل کے ذریعہ حقیقت کا انکشاف نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عقل کی کارفرمائی مخصوص تصورات کے ذریعہ ہوتی ہے اور بندھے بندھائے مروجہ تصورات اصل حقیقت کا پتہ نہیں دے سکتے، یہ تصورات شئے کے ان ہی اوصاف کو ظاہر کر سکتے ہیں جو تمام اشیاء کے درمیان مشترک ہیں، اس خاص شئے کے وجد اور بے مثل پہلو کو قطعی ظاہر نہیں کر سکتے، مثلاً یہ تصورات ہر شخص کی زندگی کو دوسرے شخص کی زندگی کے مماثل سمجھتے ہیں، اور ان کے مشترکہ خیالات، احساسات، اور واردات کو کسی ایک لفظ سے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان تصورات کے ذریعہ صرف صفات مشترکہ کا ضرور اظہار ہو سکتا ہے، لیکن وہ انفرادی اور ایسے ذاتی صفات کے اظہار سے جو کسی خاص شئے یا شخص سے مخصوص ہوں وجد اور بے مثل ہوں بالکل قاصر ہیں، اور زبان و بیان سے جن کی بناء پر عقل کی کارفرمائی ہوتی ہے حقیقت کا اظہار نہیں ہو سکتا اور معمولی سے معمولی حقیقت بھی شرح و بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی، اصل حقیقت سمجھنے کے لئے صرف احساس قوی کرنے کی ضرورت ہے، یہ احساس آگے چل کر وجدان کا سبب بنتا ہے،

(۵) عالم کائنات میں ایک ایسی حقیقت موجود ہے جس کا ادراک سوائے وجدان کے اور کسی طرح میسر ہی نہیں ہو سکتا، خود ہماری ذات کو کسی اور طرح سمجھنا ناممکن اور کسی اور ذریعہ سے اس کے ادراک کی کوشش کرنا بے سود ہے، تعقل و تفکر کے ذریعہ جب اس کو سمجھنے کی کوشش کی گئی تو اس کو ایک

نقطۂ موہوم سمجھا گیا اور اس کی وحدت پر زور دیتے ہوئے کثرتِ احساسات و تجربات کو جن پر وہ مشتمل ہے بالکل فراموش کر دیا گیا، مثلاً ڈے کارٹز (Descartes) نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے برعکس حامیانِ تجربہ مثلاً ہیوم Hume نے جب اس کو تجربہ اور حواس ظاہری کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی تو اس کو کثرت خیال کیا اور اس وحدت کو جو اس کثرت کا سبب ہے نظر انداز کر دیا انھوں نے کثرت تجربات و احساسات کو ہی حقیقت سمجھ کر یہ اعلان کیا کہ وحدتِ ذات صرف اعتباری ہے حقیقی نہیں، اس طرح یہ لوگ ذات نفس سے انکار کر بیٹھے (مثلاً ہیوم)

وحدت و کثرت کے یہ تمام حقائق جو ذات نفس سے متعلق ہیں وجدان میں من و عن اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں، وجدان ہی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ذات نفس جو درون سینہ مضمر ہے ہر لحظہ تبدیل متحرک اور متقلب اور ہر لمحہ مختلف احوال اور کیفیات کی حامل ہے اور یہی بات حامیانِ تجربہ نے کہی تھی جو کسی حد تک صحیح تھی لیکن برگسان کے نزدیک ذات نفس کی وہ کل حقیقت نہیں اول تو ان لوگوں کو کثرت احوال میں وحدت ذات ہی ہاتھ نہ لگ سکی، دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انھوں نے کیفیات، حالات اور احساسات وغیرہ کا اس طرح تصور کیا کہ گویا یہ خود کوئی ساکت، جامد اور غیر متبدل اور ٹھہرنے والی کیفیتیں اور حالتیں ہیں، مثلاً ماہرینِ نفسیات نے ذات نفس کو احساسات، جذبات، مشاہدات اور ادراکات کا مجموعہ قرار دیا تھا، ان کے تصور میں احساسات و جذبات کی نوعیت اس قسم کی تھی کہ ہر ایک احساس کو دوسرے آنیوالے احساس سے غیر متعلق اور غیر منسلک قرار دیا جانا ضروری تھا، چنانچہ علم نفسیات کی ترقی اسی طرح ہوئی تھی کہ اس نے ذات نفس کو مختلف احساسات، حالات، کیفیات اور ادراکات میں منقسم کر دیا تھا، اور پھر ہر ایک کیفیت، حالت اور احساس کو مقیم اور غیر متحرک تصور کر کے ان کو علٰحدہ علٰحدہ ٹٹولا تھا، اور پھر اس کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا،

لیکن برگسان نے ذات نفس کے وجدان کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ تو حالات، کیفیات اور

احساسات کا ایک متلاطم سمندر ہے، اور درون سینہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون سی کیفیت کہاں پر ختم ہوتی ہے اور دوسری کیفیت یا حالت کہاں سے شروع ہوتی ہے، درون سینہ تو نفسیاتی کیفیات، احساسات، یا حالات کچھ اس طرح منسلک اور متغیر ہیں کہ نہ ان کو علٰحدہ علٰحدہ تقسیم ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ ساکن اور جامد ہی قرار دیا جا سکتا ہے، اور درون سینہ جو ایک مسلسل حرکت جاری ہے، اس کا تلاطم ہر لحظہ نئے نئے احساسات، جذبات، اور حالات کا سبب بنتا ہے بلکہ یہ مختلف احساسات، جذبات اور حالات وغیرہ بذات خود ہر لحظہ دگرگون ہیں، اور عرف عام و حسن بیان کے لئے ان احساسات، جذبات، خیالات و ادراکات کو ساکت، غیر متحرک اور ایک دوسرے سے غیر متعلق سمجھ لیا گیا ہے مگر حقیقت اس کے خلاف ہے،

وجدان کے ذریعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذات نفس ایک مسلسل بہاؤ اور سیلاب کی حامل ہے، اس لئے درونِ سینہ کی زندگی کو دریا سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، جس طرح دریا میں ایک مسلسل بہاؤ ہوتا ہے اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ کون سی موج کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی اسی طرح درونِ سینہ کی زندگی میں بھی یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ کون سا جذبہ یا احساس کہاں سے شروع ہوا اور کب شروع ہوا، کہاں ختم ہوا اور کب ختم ہوا، وہ زندگی کا ایک ایسا بہاؤ ہے جو ایک غیر منقطع تسلسل ہے، اور یہ سلسلہ نہ کہیں ختم ہوتا ہے اور نہ کہیں سے شروع ہوتا ہے،

اس بات کو سمجھنے کے لئے برگسان کے "وقت" اور "زمانہ" کے نظریہ کو سمجھنا ضروری ہے، برگسان کے نزدیک (اور اقبال اس سے پورے طور پر متفق ہیں) زمانہ کا وہ نظریہ غلط ہے جس میں اس کو ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کیا گیا تھا، یہ نظریہ حساب دانوں نے علم حساب کے تصورات کے تحت بنایا تھا، مثلاً نیوٹن نے زمانہ کو لکیر کی طرح تصور کیا جس کا کچھ حصہ طے کیا جا چکا ہے، اس کو ماضی کہتے ہیں، کچھ حصہ پر ہم چل رہے ہیں اس کو حال کہتے ہیں، کچھ حصہ طے کرنا باقی ہے اس کو مستقبل کہتے ہیں، یہ نظریہ زمانہ کا خارجی ادراک

کرنے کی کوشش ہے لیکن درحقیقت زمانہ کیا ہے اس کا پتہ اس سے نہیں چلتا، اگر بالفرض زمانہ کو لکیر کی طرح فرض بھی کرلیں تو پھر زمانے دو ہی کہے جا سکتے ہیں، ماضی اور مستقبل، جس کو حال کہا جاتا ہے وہ ایک ایسا نقطۂ موہوم ہے جس کو یا تو پار کر لیا گیا ہے اور وہ ماضی ہو چکا ہے یا اس نقطہ کو پار کرنا باقی ہے اور اس صورت میں اس کو مستقبل کہا جائے گا، اب ماضی کو لیجئے، کیا ماضی وہ زمانہ ہے جو گذر گیا، اور ختم ہو گیا، ایسا نہیں ہے، ہماری تمام زندگی ماضی کی حامل ہے، ہمارا ماضی ہی ہماری زندگی کے آیندہ (اگرچہ برگسان کے نزدیک یہ آیندہ، آیندہ نہیں ہے) رجحانات کو متعین کرتا ہے، اس لئے حساب دانوں کا نظریۂ زمان اس وجدان کے قطعی برعکس ہے جو ہم کو درونِ سینہ میسر ہوتا ہے، وجدان ذات میں جیسا کہ ابھی کہا جا چکا ہے اندرونِ سینہ کی زندگی ایک مسلسل "بہاؤ" کی طرح ہوتی ہے، جس میں ماضی، حال، مستقبل سب ایک "سلسلۂ وجود" (Duration) میں موجود معلوم ہوتے ہیں ؎

نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم نہ بہ امروز اسیرم نہ بہ فردا و نہ دوش

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (بال جبریل)

لیکن یہ "موجود" اس قدر متلاطم، متغیر، اور منقلب ہے کہ اس کو ثابت اور ساکن سمجھنا محال ہے بلکہ وہ ایک ایسا "بہاؤ" ہے جو ہر لحظہ آگے بڑھتا اور متغیر ہوتا ہے، زمانہ کے اس وجدان کے تحت یہ کہنا بجا ہوگا کہ زندگی کا ہر لحظہ دگرگون ہے ؎

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

سفر زندگی کے لئے برگ و ساز سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

بہت تیز جولاں بہت زود رس ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

زمانہ کی زنجیرِ ایام ہے دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے (بال جبریل)

ان اشعار سے واضح ہے کہ اقبال برگسان کے مذکورۂ بالا خیالات سے پورے متفق ہیں اور ان کو اپنانے کے بعد اپنے فلسفہ کی ضروریات کے تحت بعض بعض جگہ کچھ ترمیمیں اور اضافے بھی کرتے ہیں،

دونوں حکما عقل و فکر کو ٹھکرا کر حقیقت کی تلاش میں آگے بڑھتے ہیں اور دونوں کا یہ حوصلہ کانٹ کے طریقۂ کار کے بالکل برعکس ہے گو ایک حیثیت سے دونوں کانٹ ہی کے ممنونِ احسان ہیں کیونکہ دونوں کا فلسفہ اسی مقام سے شروع ہوتا ہے جہاں پر کانٹ کا فلسفہ ختم ہوتا ہے،

دونوں کانٹ کی طرح عقل و فکر کو محدود بتاتے ہیں لیکن کانٹ کے نتائج سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور حقیقت کی تلاش میں ایک نئی روشنی اور رہنمائی کے متلاشی ہیں، مثلاً اقبال کہتے ہیں

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے (بال جبریل)

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے (//)

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے (//)

خرد سے راہرو روشن بصر ہے خرد کیا ہے چراغِ رہگذر ہے

درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا چراغِ رہگذر کو کیا خبر ہے

اقبال اور برگسان دونوں وجدانِ ذات کے ذریعہ عقل کی تردید کرتے ہیں اور وجدان کو شمع ہدایت قرار دیکر تحقیقات کا سلسلہ شروع کرتے ہیں، اقبال کہتے ہیں،

در بود و نبود من اندیشہ گمان ہا داشت از عشق ہویدا شد این نکتہ کہ ہستم من

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

دونوں کے نزدیک وجدان کے ذریعہ ذاتِ شخص کا صرف اثبات ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی

حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے، دونوں کا خیال ہے کہ وجدان ہی کے ذریعہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہماری ذات بیک وقت وحدت اور کثرت کی کس طرح حامل ہے، چنانچہ اقبال کہتے ہیں،

اسرار ازل جوئی بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی

دونوں کے نزدیک ذات نفس ایک مسلسل انقلاب اور پیہم سلسلۂ تغیر کی حامل ہے،

ہستم اگر می روم گر نروم نیستم

لیکن اس مقام پر پہنچکر اقبال برگسان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور خود آگے بڑھ جاتے ہیں، برگسان ذات نفس کو ایک مسلسل بہاؤ اور سیلاب اور "دوران" (Succession) کا حامل قرار دیتا ہے، اس کے نزدیک ذات نفس مسلسل تغیر اور انقلاب کی حامل ہے اور مسلسل انقلاب ہی ذات نفس کا عین کمال ہے، یہی اس کی حقیقت ہے، لیکن اس انقلاب اور تغیر کا مقصود کیا ہے؟ یہ سوال برگسان نے نہیں اٹھایا مگر اقبال کے نزدیک یہ سوال بہت اہم ہے، مسلسل انقلاب ضرور ذات نفس کا آئینہ دار ہے لیکن اصل مقصود کیا ہے؟ برگسان کے نزدیک ان تمام تغیرات، واردات اور احوال کا کوئی مقصد نہیں، ہم زور زندگی کے تحت بہتے چلے جا رہے ہیں مگر کہاں جا رہے ہیں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا،

اقبال اس سوال پر غور و فکر کرتے ہیں، یہاں تک تو وہ برگسان کے ہم خیال تھے، مثلاً پیام مشرق میں کہتے ہیں،

زندگیِ رہروان در تگ و تاز است و بس
قافلۂ موج را جادۂ و منزل کجا است

لیکن برگسان اسی مقام پر ٹھہر جاتا ہے اور آگے بڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اس کا خیال ہے کہ آزادیٔ نفس اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب ذات نفس کے لئے کوئی منزل اور مقصود متعین نہ ہو، لیکن اقبال کا خیال ہے کہ مقصود کا ہونا ضروری ہے، مگر یہ مقصود خارجی نہ ہو، اگر خارجی ہوگا تو ذات نفس آزاد اور خود مختار نہ رہے گی، اس لئے ان کے نزدیک یہ مقصود فی نفسہٖ ذات نفس ہی سے متعلق ہے، ان کا

خیال ہے کہ ذات نفس مسلسل تغیر اور انقلابِ احوال کے ذریعہ "خودی" کی پرورش اور تکمیل میں مصروف ہے،

بہ مقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

تاب خود را بر فزودن زندگی است
پیشِ خورشید آزمودن زندگی است

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات

خودی جلوہ بدست و خلوت گزند
سمندر ہے ایک بوند پانی میں بند

لیکن یہ خودی کیا ہے؟ — عرف عام میں اس کو خود شناسی، خود فہمی اور خودنمائی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جو اقبال کے فلسفہ کا بنیادی نظریہ ہے، اس فلسفۂ خودی ہی نے ان کو برگسان کے نتائج سے کہیں آگے پہونچا دیا، برگسان کے نزدیک اولاً تو "زور زندگی" (Elan vital) کسی مخصوص مقصود کے حصول کے درپے نہیں، ثانیاً یہ "زور زندگی" ہی کائنات میں مختلف صورتوں اور حالتوں میں جلوہ نما ہے، اور اصل سب کی یعنی جمادوں، پرندوں، حیوانوں اور انسان حتی کہ ہر شاخ و شجر کی ایک ہی ہے اور مختلف مظاہر میں ایک ہی حقیقت رونما ہے، یہ حقیقت "زور زندگی" کے مترادف ہے،

اقبال بڑی حد تک برگسان کے ان خیالات سے متفق ہیں، ان کے نزدیک بھی زندگی ایک سیلاب اور مسلسل بہاؤ ہے جو ہمیشہ آگے بڑھتا جاتا ہے،

دمادم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

برگسان کی طرح اقبال کا بھی عقیدہ ہے کہ "زورِ زندگی" ہی مختلف صورتوں، ہیئتوں اور وجود کی مختلف اقسام کا باعث ہوتا ہے،

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دود
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر — مگر ہر کہیں بے چگون بے نظیر
یہ عالم یہ بتخانۂ شش جہات — اسی نے تراشے ہیں یہ سومنات
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے — یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے
اسی کے بیاباں اسی کے ببول — اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول

لیکن برگسان کے نزدیک "زورِ زندگی" ہی غایت حقیقت ہے اور اس کے خیال میں اس "زورِ زندگی" کے سامنے سوائے زندگی کے اور کوئی منتہائے نظر نہیں ہے،

شروع شروع میں اقبال برگسان کے قدم بقدم چلے اور ان کے ابتدائی کلام میں برگسان کے خیالات کا اثر ہر جگہ نمایاں ہے،

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی — یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
اس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے
زندگی جزو کی ہے کل میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا
زندگی تیری ہے آزادِ قیدِ امتیاز — تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مگر قدرت کا راز
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں — یہ شیریں بھی ہے گویا بےستوں بھی کوہکن بھی ہے

لیکن تھوڑے ہی دن بعد اقبال نے برگسان کے دونوں مذکورۂ بالا نظریوں (یعنی زندگی ہی غایت حقیقت ہے اور وہ کسی مقصد یا منتہائے نظر کے درپے نہیں ہے)، کی پرزور تردید کی، اور

اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اس وقت تک ان کو شاید وجدان ذات میسر نہیں ہوا تھا، اور وہ برگسان کے خیالات کی ترجمانی ہی کرتے تھے اور شاید وہ خود اس وجدان سے محروم تھے جس پر برگسان کے تمام فلسفہ کی بنیاد ہے، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اقبال کو جب وجدان ذات میسر ہوا تو وہ برگسان سے بجائے قریب تر ہونے کے دور تر ہو گئے، یہی وجدان ذات جس پر برگسان کے تمام فلسفہ کی بنیاد ہے جب اقبال کو میسر ہوا تو وہ برگسان کی طرح "ہمہ اوست" کا اقرار کرنے کے بجائے اس کا انکار کر بیٹھے،

اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ شاید وجدانِ ذات کے بھی مدارج ہیں، اور اقبال کے نزدیک وجدان ذات صرف وحدت اور کثرت ہی کی گتھی نہیں کھولتا یا "زورِ زندگی" ہی کو واضح نہیں کرتا بلکہ یہ حقیقت بھی منکشف کر دیتا ہے کہ "زورِ زندگی" خود ایک اور بلند تر حقیقت کے تابع ہے، اس بلند تر حقیقت کو "زورِ زندگی" کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس مقام پر پہنچ کر اقبال اپنے پرانے رفیق برگسان کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے ہمسفروں نیطشے اور جیمس وارڈ کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں، اس کی تفصیل آئندہ نمبر میں بیان کی جائیگی،

حضرت شاہ برہان الدین راز الٰہی رح

از

جناب بشیر محمد خان صاحب برہان پوری، ام اے ال ال بی علیگ

ولادت اور بچپن کے حالات اسم گرامی شیخ برہان محمد اور لقب راز الٰہی ہے، مگر عام طور سے آپ برہان الدین اولیا کے نام سے مشہور ہیں، آپ حضرت شیخ کبیر محمد بن علی صدیقی گجراتی کے فرزند ہیں، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا، جو سیدہ تھیں، آپ باپ کی طرف سے صدیقی اور ماں کی طرف سے حسینی ہیں،

آپ کے جد بزرگوار کا وطن بھڑوچ (گجرات) تھا، اُن کے انتقال کے بعد آپکے والد میاں شیخ کبیر محمد صوبہ خاندیس میں آکر سکونت پذیر ہوگئے، اور آپ کی پیدائش ۹۹۰ھ میں صوبہ خاندیس کے پرگنہ بوڈ وڈ (بوڈ وڈابو) کے ایک موضع راجھی یا راجھی میں ہوئی، آپ کا سال ولادت "فیض حق" ۹۹۰ھ سے برآمد ہوتا ہے، آپکا نشو و نما صوبہ خاندیس میں ہوا، اور وہیں اپنے والد کے زیر عاطفت تربیت پائی،[۱]

آپ کی عمر نو مہینہ کی تھی، اور آپ دایہ کی گود میں تھے کہ ایک فقیرنی ناک کٹی کریہہ المنظر گھر میں آئی، اُس کو تیز نظر سے دیکھا، آپ پر دہشت طاری ہوگئی، اور حرارت آگئی، پانچ روز تک بخار رہا۔ نہ آنکھ کھولی اور نہ دودھ پیا، آپ کی والدہ نہایت پریشان اور غمگین ہوئیں، رات کو انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تمھارا یہ فرزند بزرگ اور بڑی عمر کا ہوگا، اور مقتدائے عالم بنے گا، جب خواب سے بیدار ہوئیں، تو آپ بھی ہوشیار ہوگئے، آنکھیں کھول دیں اور دودھ پینے لگے،

---

[۱] لب الدقائق مرتبہ ملفوظات حضرت شاہ برہان الدین راز الٰہی از محمد یوسف ولی محمد طاہر برہان پوری،

آپ کی عمر دس برس کی تھی کہ آپ کی والدہ انتقال کر گئیں، اور پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت سے بھی محروم ہوگئے، اور آپکے عم بزرگوار آپکے کفیل ہوئے،

اوائل عمر ہی میں آپ مع خاندان برہان پور تشریف لے آئے تھے، اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں رہکر حاصل کی، اس کے بعد یگانۂ عصر محدث کامل شیخ علم اللہ سے حدیث و فقہ اور سلوک کی تکمیل کی، اور دوسرے علوم متداولہ میں بھی کامل و فاضل ہوئے، علوم ظاہری کی تحصیل کے ساتھ ساتھ باطن میں طلب حق کا بھی جذبہ موجزن تھا، اس لئے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہی مرشد کامل کی جستجو شروع کی، اس زمانہ میں شہر برہان پور میں حضرت ملک حسین نبہانی رح کی تجرید و توحید کا بہت شہرہ تھا جن کے آستانہ پر طالبان حق کا مجمع رہتا تھا، اور ہر طالب اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوتا تھا،

پہلی بیعت چنانچہ آپنے بھی حضرت ملک حسین نبہانی کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا منشا ظاہر کیا، حضرت ملک نے آپسے بیعت لی، بیعت لینے کے بعد ہدایت کی کہ جمعرات کے روز روزہ رکھو، اور ندی پر جاکر غسل کرو، اور بازار سے تھوڑی شکر اور پھول لے کر آؤ، مگر غسل کرنے کے بعد کسی سے بات چیت نہ کرنا، اس وقت تم کو تلقین کیجائیگی،

چنانچہ جمعرات کے دن آپنے روزہ رکھا، مگر آپ پر شوق طلب کا اتنا غلبہ تھا کہ شکر اور پھول خریدنے کے پیشتر ہی ندی پر جاکر غسل کیا، وہاں سے لوٹنے کے بعد جب بازار میں شکر اور پھول خریدنے گئے، تو سخت پریشان ہوئے کہ بغیر زبان سے کہے کس طرح پھول اور شکر خریدیں، پھول خریدنے میں تو کسی طرح کامیاب ہوگئے، مگر بقال کی دوکان پر آکر تردد میں پڑ گئے کہ شکر کس طرح خریدیں، اسی تردد میں تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے بقال کو پیسے دیکر شکر مانگی، آپنے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا،

---

[۱] لب الدقائق،

اور فوراً ہی بقال کے سامنے نقدی ڈال کر شکر کی طرف اشارہ کیا، عورت اور بقال نے آپ کو گونگا سمجھ کر بغیر زبان سے کے شکر دیدی، جس وقت آپ شکر اور پھول لے کر حضرت ملک حسینؒ کی خدمت میں آئے، اُس وقت وہ مکان میں تشریف رکھتے تھے، یہ صورت دیکھ کر آپ کو پریشانی ہوئی کہ حضرت کو کس طرح اطلاع دی جائے مگر حضرت ملک پر باطن سے منکشف ہوگیا، اسی وقت آپنے خادمہ سے فرمایا، برہان محمد دروازہ پر کھڑا ہے، یہاں پردہ نہیں ہے، اس لئے مکان میں لے آؤ، چنانچہ خادمہ نے آپ کو حضرت ملک کے پاس حاضر کر دیا[1]،

حضرت ملک حسین نے حضرت شیخ کو دیکھ کر فرمایا کہ کرامت کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس حد تک روا ہے، کہ طالب کی آنکھ میں اتنی مقدار میں سُرمہ لگایا جائے کہ اُس کا دیدۂ بصیرت نورِ عقیدت سے جلا پا جائے، اس کے بعد حضرت ملک نے آپ کو ذکر نفی و اثبات کی تلقین اور اُس کے فوائد تفصیل کے ساتھ بتلائے، تلقین کے بعد آپ حضرت ملک کے مدرسہ میں رات کو ذکر میں مشغول ہوئے، اور ضرب کا شغل بآوازِ بلند جاری کیا، یہاں تک کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی توفیق سے ایک چراغ کا ظہور ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں نورانی پروانوں کا بھی احساس ہوا،

آپ روزانہ رات کو یہ عمل بآوازِ بلند کرتے تھے، جس سے طالب علموں کے مطالعہ میں خلل آنے لگا، اُنھوں نے شکایت کی اور آپ سے بحث کرنے لگے، کہ اس شور و شغب سے سوائے تضیع اوقات اور تکرار درس کے مطالعہ میں خلل اندازی کے کچھ بھی حاصل نہیں، آخر ایک مردِ صالح شیخ عبد اللہ نامی نے جو صحبت یافتہ اور اس قسم کے معاملات سے پوری طور سے باخبر تھے، حضرت شیخ برہان الدین سے بطور ہمدردی فرمایا کہ علما و فضلا خود ذکر کی لذت و حلاوت سے بہت کم آشنا ہیں، اس لئے طالب علموں میں اس کا ذوق کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے، اس کم عمری میں جو باتیں مجھکو میں نظر آ رہی ہیں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں نظر

---

[1] ملفوظات حضرت شاہ برہان الدین نوشتہ علم اللہ کمال در ۔۔۔

نہ لگے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ایک گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول ہوں، چنانچہ حضرت شیخ مدرسہ سے خانقاہ میں چلے گئے، اور وہاں اپنا شغل جاری رکھا، اس ذکر کے عمل سے آپ کو ایک گونہ حلاوت حاصل ہوئی[1]،

مرشد کامل کی تلاش

اسی دوران میں آپکے مرشد حضرت حسین نبانی سیر و تفریح کے لئے نواحِ ملک میں چلے گئے، جب آپ کے طلبِ شوق میں دن رات اضافہ ہونے لگا، تو آپ کو رہنمائی کے لئے ایک بزرگ کامل کی ضرورت محسوس ہوئی، اس زمانہ میں ایک بزرگ سید محمد مقام ادنہ مضافات گجرات میں رہتے تھے، جن کی عبادت و ریاضت کا بڑا شہرہ تھا، چنانچہ ان بزرگ کی ملاقات کے لئے آپ برہان پور سے روانہ ہوئے، آپ شہر کے نواح سے گذر رہے تھے، کہ آپ کی ملاقات حضرت شیخ عبد القدوس سے ہوئی، یہ حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ کے خلیفہ تھے، اُن کو آپکے سفر کا منشا معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اپنے مطلب کو پہلے بزرگان شہر سے حاصل کرنا چاہیے، جب یہیں آسانی مقصد حاصل ہو سکتا ہے، تو پھر اتنا لمبا سفر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اور آپ کو اپنے مرشد حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا، اس لئے آپنے اونہ کا سفر ملتوی کر دیا،

محمد یوسف برہان پوری نے اپنے ملفوظات میں یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ ایک شب کو حضرت شیخ علم اللہ محدث کی مجلس میں حضرت شیخ عبد القدوس نے آپ کو دیکھا، تو فرمایا کہ میں تمہارے ناصیہ پر انوار پر ولایت کی چمک دیکھتا ہوں تم کو جس چیز کی طلب ہے، وہ یہیں ہے، میں تم کو حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہؒ کی خدمت میں لے چلتا ہوں، وہاں تمہارا مقصد پورا ہوگا، چنانچہ آپ انیس سال کی عمر میں حضرت شیخ عبد القدوس کی وساطت سے حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ کی خدمت میں پہنچے، پہلے خود حضرت شیخ عبد القدوس نے پانچوں خانوادوں کی خلافت جو آپ کو حضرت مسیح الاولیا سے حاصل ہوئی تھی، آپ کو عطا کی اور فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عالم تم سے بہرہ مند ہوگا، اس لئے میں تم

---

[1] ملفوظات علم اللہ کمال،

یہ وعدہ لیتا ہون کہ معرفتِ الٰہی حاصل ہونے کے بعد مجھ کو بھی اپنے مریدون کے زمرہ مین شامل کرلینا، تاکہ اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے میری مغفرت فرمادے، حضرت شیخ برہان الدین نے اس کا وعدہ کرلیا،[1]

دوسری بیعت اور مجاہدات

اس کے بعد آپ حضرت شیخ عبد القدوس کے ہمراہ حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہ کی خدمت مین گیے، حضرت مسیح الاولیا، آپ کی پیشانی پر سعادتِ فطری اور دولتِ ازلی کے آثار مشاہدہ کرکے بلاتوقف آپ کی ہدایت اور تربیت باطنی کے لئے رضامند ہوگئے، اور آپ سے بیعت لینے کے بعد پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو، تاکہ اسی کے مطابق تربیت کیجائے، آپ کو خلوت نشینی بہت پسند تھی اسلئے خلوت مین بیٹھکر چلہ کشی کی اجازت چاہی، حضرت مسیح الاولیا، نے منظور کرلی، اور ہدایت کی کہ اسمائے اعظم مین سے کسی اسم کا ورد کرین، جب آپ چلہ سے فارغ ہوئے، تو حضرت مسیح الاولیا، نے آپ کو بلا کر چند باتین دریافت کین، چونکہ آپ کے قلب کی صفائی ابھی انکشاف کے درجہ تک نہین پہنچی تھی، اس لئے حضرت مسیح الاولیا، نے حکم دیا کہ ان جانورون کو چارہ پانی دیا کرو جن کا دودھ مین استعمال کیا کرتا ہون اور خانقاہ کے صوفیون کے لئے استنجے کے ڈھیلے مہیا کیا کرو، اس حکم کے مطابق آپ جانورون کو چارہ پانی دیتے، اور استنجے کے ڈھیلے مہیا کرنے مین چند روز تک مشغول رہے، اس سے آپ کو عجیب و غریب فوائد حاصل ہوئے، اس کے بعد مرشد نے اجازت دی کہ اب اگر چاہو تو چلہ کشی کرسکتے ہو، لیکن اب آپ کو خود اس مین عذر ہوا، اور ادب سے التماس کی کہ خدمتِ کلوخ سے جو صفائی قلب مین محسوس کرتا ہون وہ چلہ پر فوقیت رکھتی ہے، حضرت مسیح الاولیا نے فرمایا کہ پہلے چلہ کی اجازت تمھاری خاطر سے دی گئی تھی، اب میرا حکم ہے کہ چلہ کشی کرو، اس سے پہلے سے بھی زیادہ عجیب و غریب باتون کا ظہور ہوگا،[2] چنانچہ آپ حضرت مسیح الاولیا، کے ارشاد کے مطابق خلوت نشین ہوکر چلہ کشی کرنے لگے، تھوڑے ہی عرصہ

---

[1][2] ملفوظات علم اللہ کمال و ملفوظات شاہ برہان الدین

کے بعد عجیب و غریب مشاہدات ہونے لگے،

چلہ کی تیرھوین شب مین رات کے آخری حصہ مین عجیب و غریب مشاہدون کے باعث آپ پر ایک جذبۂ عظیم طاری ہوا، اور آپ ننگے سر اور ننگے پیر ننگے بدن حجرے سے نکل کر صحرا کا رُخ کیا، اسی وقت حضرت مسیح الاولیا خلافِ عادت حرم سے باہر آئے، اور مریدون کو آپ کی تلاش کے لئے ہر طرف دوڑایا، آپ حضرت مسیح الاولیا کے خلیفہ خواجہ محمد افضل کو بازار کے راستہ پر مزار کے قریب مل گئے، انھون نے آپ کو اپنی چادر اڑھادی، اس سے آپکے جذبہ مین کمی ہوگئی، اور خواجہ موصوف آپ کو خانقاہ مین واپس لے آئے،

حضرت مسیح الاولیا، نے فرمایا کہ خواجہ تم نے نہایت دانشمندی کا کام کیا کہ شاہباز بلند پرواز کو اپنی چادر ڈال کر دام مین لے آئے، ورنہ ڈوری ٹوٹ چکی تھی، اور وہ صحرائے حیرت مین دیوانہ وار ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جست کرتے ہوئے عالم علوی کے طائرون مین جا ملتے،[1]

اس واقعہ کے بعد آپ حضرت مسیح الاولیا، کی خدمت مین مشغول رہنے اور آپ کی خدمات انجام دینے لگے، تھوڑے ہی عرصہ مین حضرت مسیح الاولیا، کے اتنے مقرب خاص ہوگئے کہ اگر خانقاہ کے طالب مریدون کو کوئی واقعہ خواب یا بیداری مین رونما ہوتا، اور اس کو حل کرنے سے وہ عاجز ہوتے، تو حضرت مسیح الاولیا کے ارشاد کے مطابق اس کو آپ سے حل چاہتے، آپ سائل کی استعداد کے لحاظ سے اس کا معقول جواب دیتے، اس طرح آپ کی قربت کا درجہ بڑھتا گیا، اور آپ مرشد کے بڑے معتمد علیہ بن گئے، ایک روز حضرت مسیح الاولیا، نے تمام طالبون اور مریدون کو بلاکر اُن کی موجودگی مین خرقۂ خلافت سے سرفراز اور خلافت کبری کے شرف سے ممتاز کیا، اور چودہ خانوادون کی اجازت بھی عطا کی،

آپکے مرشد حضرت لشکر محمد عارف قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے، اور وہ حضرت محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ کے خلیفہ، اس طرح آپ کا سلسلۂ خلافت حضرت ابوالحسن خرقانی کے توسط سے حضرت بایزید بسطامی تک

---

[1] ملفوظات علم اللہ کمال،

تک پہنچتا ہے، اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، اس طرح آپ کا سلسلہ شطاریہ ہے، اس کے علاوہ آپ دیگر سلاسل قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ سے بھی نعمت یافتہ تھے،

اگرچہ حضرت مسیح الاولیاء نے خرقۂ خلافت عنایت کرنے کے بعد آپ کو مرید کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، مگر ادباً آپ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، اور حکم مکرر کے منتظر رہتے تھے،

سلسلۂ بیعت و ارشاد آپ کی پہلی بیوی آپ کی ماموں زاد بہن تھیں، اس عفیفہ سے آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، انھوں نے خواہش کی کہ وہ بھی حضرت مسیح الاولیاء کی مرید ہونا چاہتی ہیں، حضرت کو ان کی خواہش کا علم ہوا، تو آپ نے حضرت محمد برہان سے فرمایا کہ میں نے تم کو خلافت اور بیعت دونوں کی اجازت دی ہے، اس لئے اپنی بیوی کو کیوں نہیں مرید کرتے، اس قسم کے کاموں میں تاخیر جائز نہیں الخیر لا یؤخر، اگر کوئی طالب عالم ربانی کے پاس تلقین کے لئے جائے اور وہ عالم اگر اپنی تسبیح کا دانہ گردش کرنے یا ورق لوٹانے کے برابر بھی تلقین میں توقف کرے تو وہ طریقت کے فتوے کے تحت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ اس توقف یا تاخیر کے باعث اس کے اعتقاد میں خلل آئے اور وہ اپنے اس ارادے سے باز آجائے،

چنانچہ آپ نے اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق اپنی اہلیہ صالحہ کو مرید کیا، اور اس کے بعد دیگر طالبان حق کو بھی مرید کرنے لگے، اور ان کے ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، اس کا سلسلہ پندرہ سال تک جاری رہا، اس کے بعد حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہ کا انتقال ۱۰۳۱ھ میں ہو گیا،[۹]

ایک روز آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ کے وصال کے وقت میں نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے حضرت شیخ کی روح میرے جسم میں آگئی، اور اس سے ایک کیفیت عظیم رونما ہوئی، حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ ان کے مرقد پر چھ ماہ تک معتکف و متوجہ رہے، اور خانقاہ کے طالب اور دوسرے لوگ آپ کی طرف رجوع

[۹] ملفوظات از علم اللہ کمال،

ہونے لگے اور آپ صاحب سجادہ کے ادب کے خیال سے حضرت شیخ کی خانقاہ سے اس مکان میں آگئے، جو قریب ہی تھا، اور جس کی زمین حضرت شیخ ہی نے عنایت کی تھی،

پھر اس مکان سے فیض خانہ میں آگئے، جو آپ کے خسر حضرت شیخ فرید نے عطا کیا تھا، یہ فیض خانہ کسی قدر وسیع تھا، اس لئے بارہا فرمایا کہ اس خانہ فراخی سے دل میں تنگی پیدا ہو گئی ہے، اسی زمانہ میں امیر بیگ حاکم صوبہ برہان پور نے خانقاہ کی تعمیر کے لئے التماس کیا، فرمایا کہ اس سے ہمسایہ کو ایذا پہنچے گی، امیر بیگ نے عرض کی کہ ہمسایہ کو اس سے بہتر جگہ دے کر آباد کر دیں گے، مگر آپ راضی نہیں ہوئے، اور فرمایا کہ اگر تم نے اس جگہ کوئی عمارت بنوائی، تو فقیر سورت کی طرف چلا جائے گا، جب آپ نے اپنے مکان کی کھپریل بنوائی تو بعض احباب نے کہا کہ کھپریل کے نیچے ایک چھت بنانا چاہئے، کہ گرد و غبار سے حفاظت ہو جائے، آپ نے پوچھا کتنی بلند ہونا چاہئے، نصیر الدین معمار نے عرض کیا، اتنی بلند ہونا چاہئے کہ اگر چارپائی پر کھڑے ہو کر دستار باندھیں تو ہاتھ کی گردش میں مزاحمت نہ پیدا ہو، آپ نے فرمایا نہیں صرف اتنی اونچی بنائی جائے کہ چارپائی پر بیٹھ کر دستار باندھ سکیں، پھر فرمایا کہ چونا اور اینٹ کم بنائی جائے، البتہ وہ کنواں جو دروازہ کے قریب ہے، اسکو پختہ بنا دیا جائے، چنانچہ اس کو پختہ بنا دیا گیا، اور کچھ چونا سفیدی کے لئے بچ گیا، استاد نصیر الدین نے عرض کیا اگر حکم ہو تو حجرے کی دیواروں پر اس چونے سے سفیدی کر دی جائے، حضرت نے فرمایا کہ استاد نصیر الدین! جب فقیر باہر سے آتا ہے تو حجرہ میں آنکھ بند کر کے بیٹھتا ہے، اور دیواروں پر نظر نہیں کرتا کہ سیاہ ہیں یا سفید؟[۱۰]

کم و بیش پندرہ سال کی مدت میں آپکے ارشاد و ہدایت اور کشف و کرامات کا شہرہ تمام اطراف و اکناف میں پھیل گیا، اور ایک عالم آپ کے حضور میں نذر عقیدت لانے اور سر نیاز جھکانے لگا، شہزادہ اورنگ زیب بھی آپ سے عقیدت رکھتا تھا، اور اکثر رات کے وقت چھپ کر مجلس میں شریک ہوتا اور تبرک حاصل کر کے یہ شعر پڑھتا

اگر ز در برانی عتاب و سربلندی   ز در دگر در آیم بنزار در دمت ری

[۱۰] ملفوظات از محمد یوسف ولد محمد طاہر،

شہزادہ اورنگزیب کو بادشاہت کی بشارت

جب اورنگزیب نے دارا شکوہ کے مقابلہ کے لئے برہان پور سے روانہ ہونے کا قصد کیا تو حضرت شیخ برہان الدین قدس سرہ کی ملاقات سے مشرف ہونا چاہا، مگر سلاطین سے ملاقات کرنا حضرت کی مرضی کے خلاف تھا، اس لئے شہزادہ موصوف خود وضع تبدیل کرکے خدمت مین حاضر ہوا، حضرت نے نووارد کو دیکھ کر نام دریافت کیا، شہزادہ نے کہا اورنگزیب، حضرت خاموش ہوگئے، کچھ نہین بولے، مگر تبرک نہین دیا، دوسرے دن شہزادہ موصوف پھر مجلس مین شریک ہوا، اس مرتبہ حضرت نے شہزادہ کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر آپ کو یہ مکان پسند آگیا، تو فرمائین، مین فقیرون کے لئے دوسرا تکیہ تلاش کرلون، یہ سُن کر شہزادہ خاموش رہا،

اس کے بعد شہزادہ نے رسائی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت کی ایک خادمہ خرم ماما لالو کی جو دن رات حضرت کی خدمت مین رہتی تھین، خاطر و مدارات شروع کی، اور اس کو رضامند کرکے مقرب خاص شیخ نظام کی معرفت طے ہوا کہ جب حضرت صبح کی نماز کے لئے برآمد ہون تو شہزادہ اس وقت خانقاہ کے دروازہ پر حاضر رہے اور کھڑے کھڑے حضرت سے فاتحہ رخصت کی التماس کرے، چنانچہ شہزادہ اورنگزیب شیخ نظام، شیخ منیر اور میر میران کے ہمراہ وقت مقررہ پر خانقاہ کے دروازہ پر حاضر ہوگیا، جب حضرت نماز کے لئے حجرے سے برآمد ہوئے، تو شہزادہ کو دیکھ کر ٹھہر گئے، اورنگزیب نے دارا شکوہ کی شکایت کی کہ وہ مقدمات شرعی طور پر نہین کرتا، اور احکام دین مین اپنی پابندی ارادت اور رعیت پروری کا ذکر کرکے توجہ باطنی اور فاتحہ رخصت کی التماس کی، حضرت کی زبانِ حق ترجمان سے یہ الفاظ نکلے کہ

"از فاتحہ رافقیران چہ حاصل، شما کہ بادشاہ اید، فاتحہ بقصد عدالت و رعیت پروری بخوانید ما ہم برفاقت شما دست بدعاء فاتحہ برمی داریم"[ھ]

حضرت کی زبانِ مبارک سے یہ کلام تہنیت انجام سنتے ہی شیخ نظام نے شہزادہ اورنگزیب کو بادشاہی کا مژدہ سُنایا، اور فاتحہ کے بعد حضرت نے چند کلمے بطور نصیحت کے فرمائے، اور تبرک دے کر رخصت کیا،

ھ منتخب اللباب خافی خان صفحہ ۵۵۳،

اس کے بعد شہزادہ اورنگزیب ایک مہینہ برہان پور مین رہا، پھر صوبہ برہان پور کا بندوبست محمد طاہر مشہدی مخاطب وزیر خان کے سپرد کرکے ۲۵ رجادی الاول ۱۰۶۸ھ دار الخلافت روانہ ہوگیا،[ھ]

عظمت و بزرگی حضرت کے دیدار اور شرف ملاقات کے لئے بڑے بڑے امراء و روسا، شہزادگان عالی تبار، امراء شاہان والا گہر آتے، آپکے کلمات نصیحت سنتے، اور آپ کی صحبت پرفیض سے مستفید ہوتے تھے، نصیر خان فاروقی تلمیذ قاضی نصیر الدین فاضل ہندی حضرت کی خدمت بابرکت مین تین سال تک رہ کر فیض یاب ہوتا رہا، خان، رندولہ بیجاپوری، جو امرائے دکن مین سے تھا، حضرت سے حُسن عقیدت رکھتا تھا، اور ہمیشہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوکر فیض حاصل کرتا،

امیر الامراء شایستہ خان جو آصف خان وزیر اعظم کا فرزند اور شہنشاہ عالمگیر کا ماموں تھا، حضرت کا معتقد تھا، جب کبھی حضرت کی خدمت مین حاضر ہوتا، تو بیعت کی التماس کرتا لیکن آپ اُس کو ٹال دیتے، ۱۰۷۱ھ مین جب شایستہ خان مستقل طور پر دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو حضرت کی خدمت مین حاضر ہوا، اور فاتحہ رخصت سے قبل بیعت و دستگیری کی التماس کی لیکن حضرت نے اس مرتبہ بھی خیال نہین فرمایا اور تبرک دیکر رخصت کیا، اور شایستہ خان سیواجی کی سرکوبی کے لئے برہان پور سے روانہ ہوا، اور مرہٹون کو شکست دی، وہ بھاگ کر پہاڑون مین چھپ گئے، اس کے بعد شایستہ خان پونہ پہنچا، اور وہان سیواجی کے ایک قدیم مکان مین قیام پذیر ہوا، ایک دن جب کہ شایستہ خان اس مکان مین آرام کر رہا تھا کہ آدھی رات کے وقت یکایک شیواجی نے مع اپنے ساتھیون کے مکان مین داخل ہوکر حملہ کردیا، شایستہ خان نے گھبراہٹ مین برہنہ ہاتھ سے سپر پکڑ کر آگے کردی جس کے باعث اس کی دو انگلیان کٹ گئین، اور اس کا لڑکا مارا گیا قتل ہوا، اس واقعہ کے بعد جب شایستہ خان برہان پور آیا تو حضرت کی خدمت مین حاضر ہوکر اپنا رنج و غم ظاہر کرکے عرض کیا کہ اگر حضرت نے میری دستگیری کی ہوتی، تو میرا پنجہ اس طرح معیوب نہ ہوتا، اب تو

ھ منتخب اللباب از خافی خان ص ۵۵۳ و تاریخ ہند اورنگزیب ۵ مارچ ۱۶۵۸ء کو برہان پور سے روانہ ہوکر ۱۶ جولائی ۱۶۵۸ء مین دہلی مین داخل ہوکر بغیر رسومات ادا کئے تخت پر بیٹھ گیا

دستگیری فرمائی جائے، حضرت کو یہ لطیفہ بہت پسند آیا، اور شایستہ خان سے بیعت لیکر اپنے حلقۂ مریدین میں شامل کرلیا[۵۵]، حضرت کو اپنے مرشد مسیح الاولیا سے پانی پر دم کرنے کی اجازت حاصل تھی، سیکڑوں آدمی حضرت کی خدمت میں پانی لاکر دم کراتے، اور اُس کی برکت سے فائدہ اٹھاتے، اس پانی کے لئے اتنا اژدحام ہوتا تھا کہ حضرت کا روئے مبارک حاضرین کو نظر نہیں آتا تھا،

۱۰۶۸ھ میں ایک مرتبہ رات کے وقت شہزادہ معظم بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مجلس ختم ہونے کے بعد پانی دم کرکے مرحمت کرنے کی التماس کی، حاضرین میں سے کسی نے وہ پانی جو جماعت خانہ میں فقیروں کے لئے تھا، لانا چاہا، حضرت نے منع فرمایا اور شہزادہ کے ہمراہ جو پانی تھا، وہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ وہی پانی لایا گیا، حضرت نے اس کو دم کرکے شہزادہ کو دیا، اُس پانی کے پیتے ہی شہزادہ کے دل میں جو وسوسے تھے، وہ دور ہوگئے[۵۶]،

تعمیر مسجد | ایک مرتبہ شہزادہ اورنگزیب آپ کے جماعت خانہ میں آیا، اور جنوبی رخ کی دیوار کے قریب جس میں بڑے بڑے طاق محراب کے مثل تھے، نماز ادا کی، اس جگہ جا نماز و مصلّی نہیں تھا، اس لئے حضرت نے اپنی ردائے مبارک کو بچھا کر سمت قبلہ کا تعین کردیا تھا، تاکہ سلطان کو قبلہ کے متعلق غلط فہمی نہ ہو، اور ایک قطعہ میں مسجد کیلئے وقف فرمادی جہاں کچھ عرصہ کے بعد مسجد تعمیر ہوگئی، حضرت مسیح الاولیاء کی مسجد میں صحن نہیں تھا، اس لئے آپ نے بھی اس کی اتباع میں مسجد بغیر صحن کے بنوائی، اور اس کے لئے امام، موذن، فراش اور آبدار مقرر کئے،

شروع میں آپ بنفس نفیس ایک عرصہ تک امامت کا فرض انجام دیتے رہے، آپ کے بعد شیخ عبدالرحیم خوشنویس کو یہ خدمت سپرد ہوئی، پھر حضرت کے داماد میراں سید عبداللطیف اس منصب پر مقرر ہوئے،

---

[۵۵] ملفوظات حضرت شاہ برہان الدین از علم اللہ کمال [۵۶] ملفوظات علم اللہ کمال

اس کے بعد حافظ احمد ولد شیخ محمد ابن شیخ ماہ او حافظ محمد یوسف کشمیری حضرت شہاب الدین ابن حضرت فتح محمد محدث ابن حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ قدس سرہٗ یکے بادیگرے امامت کا فرض انجام دیتے رہے،

متفرق حالات وواقعات حضرت ارشاد و ہدایت کے ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی رکھتے تھے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لاتے، اور فقہ و تفسیر و سلوک کا درس دیتے جسکا سلسلہ اکثر نصف النہار تک جاری رہتا، کبھی کبھی مسجد سے کچھ فاصلہ پر قوالوں کی چوکی رہتی کہ جب آپ درس سے فراغت کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائیں، تو مجلس سماع میں شرکت فرمائیں، اس لئے کبھی کبھی آپ سماع میں بھی شریک ہوجاتے اور کبھی صرف تبرک دیکر قوالوں کو رخصت کردیتے، سماع کے بارہ میں مشائخ کے اس اصول پر کہ "استعمال السماع عند الضرورۃ مباح" آپ کا عمل تھا،

آپ نماز جمعہ مختلف مساجد میں ادا فرماتے تھے، کبھی حضرت روح اللہ وحہ کی خانقاہ کی مسجد میں کبھی مسجد شیخ سالار میں، اور کبھی مسجد محمد شریف میں،

آپ کی شہرت و فیض رسانی کے باعث دن رات معتقدین کا مجمع لگا رہتا تھا جسکو آپ آفت سمجھتے تھے، اس لئے اس سے بچنے کے لئے آپ کبھی حضرت شاہ نعمان آسیری کے عرس میں شرکت کے لئے آسیر گڈھ تشریف لیجاتے، کبھی حضرت سعدی دکھنی کے عرس کے لئے شیر پور چلے جاتے، کبھی سلطان برہان الدین کے عرس میں شریک ہوتے، اور کبھی کبھی نواح شہر کے مزارات مثلاً حضرت شاہ شہباز و دیگر بزرگان دین کی زیارت کے لئے جاتے، اس کے علاوہ لوگوں سے بچنے کے لئے اور بھی مختلف تدبیریں اختیار کیں، لیکن کسی طرح خلق اللہ کا ہجوم کم نہ ہوتا تھا، اس لئے آخر عمر میں جب کہ آپ کے قوی بالکل کمزور ہوگئے، آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی، نماز پنجگانہ جماعت خانہ میں پڑھتے، اور اوراد و وظائف حجرے میں ادا کرتے تھے[۵۷]، حضرت کے خاص مریدوں میں سے کچھ لوگ جو دن رات خانقاہ میں رہتے تھے، اور عقیدت سے

---

[۵۷] ملفوظات حضرت شاہ برہان الدین، از علم اللہ کمال،

باعث منافی شیخ ہو گئے تھے، اکثر حالتِ مستی و عالمِ بیخودی مین حضرت کو خدا سے منسوب و مخاطب کرنے لگے، حضرت نے ہر چند اُن کو سمجھا کر توبہ کرائی، مگر اُن پر اثر نہ ہوا، آخر مین آپ نے اُن کو خانقاہ مین مقید کر کے ان کی نگرانی کی، اس وقت یہ لوگ ان فاسد عقائد سے باز آئے، اور اُن سے توبہ کی، اور جن لوگون کی اصلاح اس سے بھی نہ ہو سکی، ان کو آپ نے حدِ شرعی جاری کرنے کے لئے قاضی شہر کے حوالہ کر دیا، اور یہ کہلا بھیجا، کہ پہلے حتی الامکان اُن کی اصلاح کی کوشش کیجائے، اگر اب بھی باز نہ آئین، تو اُن پر حدِ شرعی جاری کی جائے، ان مین ایک مرید شاہ نور رمزالٰہی تھے، جو حالتِ مستی مین اذان کے طریقہ پر "برہان اللہ اکبر" کہتے تھے، قاضی نے چند روز قید رکھ کر اُن کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر جب اس سے بھی وہ باز نہ آئے، تو شریعت کے حکم کے مطابق اُن پر قتل کا حکم صادر کیا،[۱]

(باقی)

---

[۱] ملفوظات شیخ علم اللہ کلام،

نوائے حیات

(طبع دوم)

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرینِ معارف اور دوسرے اصحابِ ذوق پوری طرح واقف ہیں، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا اضافہ ہوا، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلمِ فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ ہے،

ضخامت :- ۲۱۴ صفحے،

قیمت :- مجلد للعہ غیر مجلد عہ

"منیجر"

قصیدۃ العروس

از

جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ

خالد بن صفوان القناص تاریخ ادبِ عربی کا ایک مجہول الحال شخص ہے، اس کی یادگار صرف ایک بے ربط سا قصیدہ ہے، جس کا نام العروس ہے، اسی پر اس کی شاعری کی ابتدا و انتہا ہو جاتی ہے، حضرت مولانا عبد العزیز میمنی پہلی دفعہ اس قصیدہ کو منظرِ عام پر لائے اور کتب خانۂ جامع کے نسخہ کے مطابق الطرائف الادبیہ[۱] مین شائع فرمایا، انھون نے دو اور نسخون کا ذکر کیا ہے، یہ نسخے شرح کے ساتھ پائے جاتے ہین، شرح کی عبارت مین مولانا مدظلہ العالی نے حسبِ ضرورت حذف و اختصار سے کام لیا ہے، جیسا کہ خود تصریح بھی کر دی ہے،

اس قصیدہ کا ایک قلمی نسخہ ابھی حال مین میری نظر سے گذرا، یہ نسخہ مکتبہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ایک مجموعہ قصائد (Card. No. 948) کے ساتھ ہے، بظاہر نہ تو یہ قصیدہ کچھ زیادہ اہم ہے اور نہ اس کے ناظم کی شخصیت کے متعلق ہمین کچھ معلوم ہے کہ اس کی طرف توجہ مبذول کیجاتی، لیکن یہ صرف اس جدید نسخہ کی اہمیت ہے، جس کی بنا پر مین نے اس قصیدہ کو عنوان بنایا ہے، مین یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہون، کہ یہ نسخہ بہت زیادہ قدیم یا صحیح بھی نہین ہے، تاہم اس کی اہمیت کے لئے اس قدر کافی ہے کہ مطبوعہ نسخہ کے بعض غیر صحیح مقامات کی تصدیق اس سے ہو جاتی ہے، نیز مولانا میمنی کے بعض قیاسات اس نسخہ کے ذریعہ

---

[۱] القسم الاول ص ۱۰۲-۱۱۳،

صحیح ثابت ہوتے ہیں، علاوہ برین ایک آدھ جگہ اہم فرق نمایان ہے، لہذا جو اختلافات و فروق کہ اس نسخہ کو نسخہ مطبوعہ کے مقابلہ سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کی ایک فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے، اس فہرست میں پیش نظر نسخہ کے بعض تصحیفات کا بھی ذکر ہوگا اور شرح کے بعض ٹکڑے بھی حسب ضرورت نقل کر دیئے گئے ہیں، جن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض ابیات کی شرح اس نسخہ میں نسخہ مطبوعہ سے بھی زیادہ مختصر ہے، یہ نسخہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

"قال خالد بن صفوان القاص هذه القصيدة التى سمتها العرب العروس وقال بعض اهل الادب (؟) كفى به عيبا (؟) ومن حفظ هذه القصيدة، ولم يقل الشعر وذلك انه جمع فى قصيدته كلام العرب مانى الصفات وما جاء عنهم من الغريب فى اشعارهم ومضامنيهم (؟)"

۱- نسخہ مطبوعہ کا بیت نمبر ۲ یعنی کالدیبلیات الخ اس مطبوعہ میں موجود نہیں، لیکن اس کے بجائے ایک نیا شعر ملتا ہے، جس سے مطبوعہ نسخہ خالی ہے،

قفا علی عرصة کیما اسائلها   (سحبا[1] تنازعها أثناء شيطان)

بیت مذکور ترتیب میں بیت نمبر ۲: وما وقوف امرئ الخ کے بعد واقع ہے،

۲- بیت نمبر ۴: مصرعہ اول میں غدق کا لفظ ہے، لیکن شرح میں غدق کے بجائے زجل کی تفسیر کی گئی ہے، مولانا میمنی کی رائے کے مطابق "زجل" روایت ہے اور واقعہ بھی یہی ہے، چنانچہ پیش نظر نسخہ میں غدق کے عوض زجل کا لفظ ہے، شرح میں بھی اسی کی تفسیر ہے، اور لفظ غدق کا ذکر نہیں،

۳- بیت نمبر ۵: اس نسخہ میں "امسی اهله" کے عوض "اضحی اهله" ہے،

۴- بیت نمبر ۹: مطبوعہ نسخہ میں مختلف روایتوں کا ذکر ہے، اس نسخہ میں ان کا ذکر نہیں، شعر اس طرح ہے،

[1] کذا فی الاصل۔

أرضا فات ودانی للحی قاطنها   أرض يحل بها ابناء ذبيان

شرح میں صرف اس قدر ہے،

"نصب أرضا بدلا عن قوله أرض نجران أرضا (؟) ثم قال ارض فرفع كانه ابتداء فقال: ارض يحل بها، وان شئت نصبته على الموضع من الاول"

۵- بیت نمبر ۹ "به" کے بجائے "له" ہے؟

۶- بیت نمبر ۱۱: شرح میں لفظ ربقان کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے اس کی تفسیر اس نسخہ میں اس طرح ہے،

"قال الاصمعى: الربقة ان تعمل الى رسن فتشد فيه قطع ارسان صغار تصير شبه حلق تشد به الجداية اذا ارضعت"

۷- بیت نمبر ۱۷ مطبوعہ نسخہ میں "تشنيك" اور اس نسخہ میں "تسنيك" بالسين ثم القاف ہے، شرح کی عبارت حسب ذیل ہے،

"الهركولة: الضخمة، والأشر: ماء الاسنان، والغراء البيضاء والمفتان المفعال من الفتنة،

مطبوعہ نسخہ میں بہرا اور طور کی بھی تفسیریں ہیں، ان لفظوں کی شرح اس نسخہ میں نہیں،

۸- بیت نمبر ۲۰، اس نسخہ میں غيلاء فی کسل اور کسل کے اوپر "ربل" مرقوم ہے، شاید اختلاف روایت کی طرف اشارہ ہے، شرح کی عبارت مندرجہ ذیل ہے،

"الغيلاء: الملتفة المفاصل والجمع غيل، والرتل: تفرق الاسنان، والفقاء: العظيمة الفخذين والربلة، كثرة لحم الفخذ وتقارب المشى (؟) والهيفاء: الضامرة البطن،

[2] الطرائف: ص ۱۰۳، فٹ نوٹ نمبر ۵،

۹- بیت نمبر ۲۱، نسخۂ مطبوعہ مین "قنوا" کی تفسیر "دقیق قصبۃ الانف" ہے یہان "الدقیقۃ قصبۃ الانف و العرنین" ہے،

۱۰- بیت نمبر ۲۲: شرح کی عبارت اس طرح ہے،

"سخط: غضاب کانھّم شرطلرداء تھو وخبثھم یصف الحرس والجبۃ" مطبوعہ نسخہ مین "الجب" کا لفظ ہے جس پر سوالیہ نشان ہے،

۱۱- بیت نمبر ۳۰ مطبوعہ نسخہ مین "زرود مبطنۃ" اور "تنفی الاحزان" ہے، یہان "زرود مطیبۃ" اور "تفی لأحزان" ہے،

۱۲- بیت نمبر ۳۱، اس نسخہ مین "محصّنۃ" کی روایت مذکور نہین،

۱۳- بیت نمبر ۳۸، اس نسخہ مین "ذو جند غسق" ہے، "حفہ" کا ذکر نہین،

۱۴- بیت نمبر ۳۹، نسخہ مطبوعہ مین "لھا" اور یہان "بھا" ہے: شرح کی عبارت اس نسخہ مین محرف ہے:

"البیداء: الصحراء، واللمع من بیاض السراب والطلاء ولکن الظلیم وھو ذکر النعام"

۱۵- بیت نمبر ۴۰: دوسرا مصرعہ تحریف شدہ ہے: فی العاشب بآخ لاخوان باذح؟

۱۶- بیت نمبر ۴۱: اس نسخہ مین "من تحتہ" بجاے "من تحتھا" اور "من فوقہ" بجاے "من فوقھا" ہے؛

۱۷- بیت نمبر ۴۲، اس نسخہ مین "شطب" کی تفسیر اسی قدر ہے، شطب حسن رطب،

۱۸- بیت نمبر ۴۳، اس نسخہ مین "تزینیہ ثمر" بجاے "یزینہ ثمر" "نیر من ذھو زھر" علی الحاشیہ مرقوم ہے، شاید اختلاف روایت کی طرف اشارہ ہے،

۱۹- بیت نمبر ۴۶، اس نسخہ مین "میدان" کا لفظ ہے بجاے "عیدان" کے،

۲۰- بیت نمبر ۵۱: مطبوعہ نسخہ مین نعب بالنون اور "تعب" بالتار دو روایتین ہین، اس نسخہ مین پہلی روایت کا ذکر نہین،

۲۱- بیت نمبر ۵۲: مطبوعہ نسخہ مین "زجل" کا لفظ ہے، یہان "رحل" ہے، جو یقیناً صحیح نہین، شرح کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"الھدل: المسترخیہ (؟) والخضل (؟) الرطب الاخضر والزجل المجتمع"

۲۲- بیت نمبر ۵۳: شرح کی عبارت مندرج ذیل ہے،

"وصف الشقائق والثمار والریاض بالصفرۃ والحمرۃ والخضرۃ التی فی البساتین"

۲۳- بیت نمبر ۵۵: شرح کی عبارت اس طرح ہے،

"السمر: الطوال، والمراعف الانوف، والجم (؟)

۲۴- بیت نمبر ۵۶: مطبوعہ نسخہ مین "قرت" کے بجاے "قوت" کی روایت بھی مذکور ہے، اس نسخہ مین مذکور نہین،

۲۵- بیت نمبر ۵۷: مطبوعہ نسخہ مین "کالراح" اور اس نسخہ مین "بالراح" ہے،

۲۶- بیت نمبر ۵۸: اس نسخہ مین "نافعۃ" کی روایت مذکور نہین،

۲۷- بیت نمبر ۵۹: اس نسخہ مین "تسقی" ہے بجاے "تشفی" کے،

۲۸- بیت نمبر ۶۰: اس نسخہ مین "فالمسک" بجاے "والمسک" "خرجت" بجاے "نزجت" "نکھت" بجاے "فتقت" اور "نخلت" بجاے "بزلت" ہے،

۲۹- بیت نمبر ۶۳: مطبوعہ نسخہ مین "القنان" اور یہان "القنانی" ہے،

۳۰- بیت نمبر ۶۵ مطبوعہ نسخہ مین "جلجان" بالجیم ہے، یہان "خلجان" بالخار ہے،

۳۱- بیت نمبر ۶۶: اس نسخہ مین "خضر حلاقمھا" ہے، بجاے "بیض حلاقمھا" کے

۳۲- بیت نمبر ۶۷: اس نسخہ مین "من حدائق" ہے بجاے "فی حدائق" کے،

۳۳- بیت نمبر ۶۸: یہان "حنان" کی تفسیر اس طرح ہے، الحنان: من الحنین وھو الصوت

۳۴- بیت نمبر ۶۹: اس نسخہ مین اس طرح ہے،

نفج رواد فہا دکن مطارفہا   حمر ر فارفہا من خز جران

مطبوعہ نسخہ میں دکن مطارفہا کے عوض عذب مراشفہا، اور حمر ر فارفہا کے بجائے "دکن مطارفہا" نیز جران کے بجائے نجران ہے، شرح کی عبارت میں "مراشف" کا لفظ موجود ہے،

النفج: الخلیظ الممتلی، والمراشف: الفم والمطرف: الکساء من الخز،

والدکن: من ادکن ھو الذی لونہ کلون السحاب،

۳۵۔ بیت نمبر ۷: اس نسخہ میں پہلا مصرعہ اس طرح ہے ع:

یلھیک مضربھا یسلیک مطربھا

۳۶۔ بیت نمبر ۱: شرح میں "التھاجس" کے بجائے التھجاس ہے،

۳۷۔ بیت نمبر ۳: اس نسخہ میں مالوا و ما غفلوا ہے، باقی روایتیں مذکور نہیں،

۳۸۔ بیت نمبر ۴، ۵، کی ترتیب اس نسخہ میں مطبوعہ نسخہ کے برعکس ہے، شرح میں کاتب کو خبط ہوگیا ہے کہ بیت نمبر ۴، مطبوعہ کی شرح کو بیت نمبر ۵، سے ملحق کر دیا ہے،

۳۹۔ بیت نمبر ۶: اس نسخہ میں "قواقزھم" بالزاء ہے، شرح میں بھی "قواقز" بالزاء ہے، مطبوعہ نسخہ میں "قواقر" اور "قراقیر" بالراء ہے "قواقیر" کے متعلق علامہ تبنی فرماتے ہیں، "لا اعرفہ"[۵۱] یہاں پر قواقز بالزاء صحیح ہے، قاقزہ بمعنی قدح کی مختلف شکلیں ہیں، چنانچہ فیروزآبادی کا بیان ہے،

"القاذوزۃ[۵۲]، والقاقوزۃ، والقاقزۃ: مشربۃ او قدح او الصغیر من القواریر،"

ابن منظور افریقی نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مشہور امام لغت ابو عبید کا حسب ذیل حوالہ دیا ہے:-

---

[۵۱] الطرائف ص ۱۰۳، فٹ نوٹ نمبر ا [۵۲] القاموس ج ۲ ص ۱۸۰، بہ تصحیح شیخ نصر ہورینی،

"قال ابو عبید[۵۳]، فی کتاب ما خالفت العامۃ فیہ لغات العرب، ھی قاقوزۃ و قازوزۃ للتی تسمی قاقزۃ"

غرض "قاقوزہ" لغت عامیہ ہے،

اس نسخہ میں "من خیل اخذ ان" کی روایت مذکور نہیں،

۴۰۔ بیت نمبر ۶: اس نسخہ میں "مکاسر ہم" ہے بجائے "مسامرھم" کے،

یہ نسخہ کل نو ورق کا ہے، ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہیں، صرف پہلا صفحہ سولہ سطری، اور آخری پندرہ سطری ہے، ابیات سرخ روشنائی سے لکھے ہیں، حرکات کی شکلیں سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے، شرح کی روشنائی بھی سیاہ ہے، حروف صاف صاف بخط نسخ مرقوم ہیں، کاتب نے اپنا نام و نشان نہیں بتایا ہے، البتہ تاریخ کتابت ذیل کی عبارت سے ہے،

"تمت القصیدۃ مع ما فیہا من الفوائد فی یوم الرابع ربیع شھر محرم الحرام سنۃ الالف ومائتین حذ ثلاثون من الھجرۃ النبویۃ علی مہاجرھا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ"

اس نسخہ کے متعلق ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور و معروف ادیب مولانا ابو عبد اللہ محمد بن یوسف سورتی کے ملاحظہ سے ۱۳۳۳ھ میں گذرا تھا، انھوں نے اس قصیدہ کو نقل بھی کیا تھا، آخری صفحہ میں حاشیہ پر ان کی تحریر کردہ عبارت نظر آئی جس میں انھوں نے اپنی رائے بھی ظاہر فرمائی ہے، عبارت بلفظہا ہدیۂ ناظرین ہے:-

"قال ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السورتی لطف اللہ بہ ذکرہ طالعت ھذہ القصیدۃ یوم الاربعاء سلخ ربیع الثانی سنۃ ۱۳۳۳ و انا قد استیقنت غایۃ الاستیقان انھا قول مولف لا یکاد یساوی شیئا و ھو متکلف ولیس من کلام العرب الذین یعبا و یحتج بکلامھم و قد نقلتھا لنفسی والحمد للہ"

---

[۵۳] لسان العرب ج ۷، ص ۲۶۲،

مطبوعات جدیدہ

پاکستانی عورت دوراہے پر از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی تقطیع اوسط ضخامت ۲۶۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد:- عہ/۱۲، پتہ:- مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ لاہور،

ملکون اور قومون کے لئے سیاسی انقلاب کا دور نہایت نازک ہوتا ہے، اس مین ہر شعبۂ زندگی مین تلاطم بپا ہوجاتا ہے، اگر احتیاط اور ہوشمندی سے کام نہ لیا جائے، تو انقلاب کی رو مین بہت سی پرانی قدرین اور قومی و ملی روایات بھی بہجاتی ہین، یہی صورتِ حال اس وقت پاکستان مین درپیش ہے، اور قدیم وجدید کے درمیان ایک کشمکش جاری ہے، خصوصاً عورتون مین آزادی اور بے حجابی کی ایک لہر پیدا ہوگئی ہے، اور اس کو برسراقتدار طبقہ کی بھی حمایت حاصل ہے، اس لئے وہ بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، اگر یہ صورت قائم رہی، تو پاکستان کی عورتین اس میدان مین ترکی کی عورتون سے بھی بازی لیجائین گی، مولانا اصلاحی نے اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے مذکورۂ بالا کتاب مین حجاب اور بے حجابی کے ہر پہلو پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے، اس کتاب مین سات ابواب یا بحثین ہین، پہلے باب مین آزادی نسوان کے حامی لیڈرون کی تحریرون و تقریرون سے جن مین مرد اور عورتین دونون شامل ہین، پاکستان کے پیشِ نظر آزادیِ نسوان کی نوعیت اور اس کی منظم کوشش کی تفصیل بیان کی گئی ہے، دوسرے مین مردون اور عورتون کے درمیان مساوات کے بارہ مین اسلامی اور مغربی نقطۂ نظر کا فرق واضح کیا گیا ہے، تیسرے مین اسلامی پردہ کے احکام بیان کئے گئے ہین، چوتھے مین اسلامی نقطۂ نظر سے عورتون کا اصلی درجہ اور مقام دکھایا

گیا ہے، پانچوین مین نظامِ حکومت مین عورتون کے مساویانہ حقوق کے مغربی نظریہ پر تنقید کی گئی ہے، چھٹے مین عورتون کی سیاسی اور معاشی مصروفیتون کی مضرتین دکھائی گئی ہین، اور آخر مین اسلامی تعلیمات کی رو سے عورتون کے حقوق و فرائض اور ذمہ داریون کی تعیین و تصریح کی گئی ہے، اس طرح اس کتاب مین اس مسئلہ کے ہر پہلو کی پوری تفصیل کی گئی ہے، آج کل ذاتی خیالات و رجحانات اور اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے اسلام کے نام کو استعمال کرنے کا ایک عام مرض پیدا ہوگیا ہے اور پھر اس کے مطابق اسلامی تعلیمات کی نئی نئی تعبیرین کی جاتی ہین، جن کو اسلام سے دور کا علاقہ بھی نہین ہوتا، چنانچہ اسلام نے عورتون کو جو حقوق عطا کئے ہین، اُن کو آزادی اور مساوات کے نام سے ہر قسم کی نسوانی آزادی کے لئے سندِ جواز بنایا جاتا ہے، برائی کو برائی کے نام سے کرنے مین اتنی خرابی نہین ہے، جتنی اس پر بھلائی کا ملمع کرنے مین ہے، ترکی نے جو کچھ کیا، اس کو اسلام کے نام سے نہین، بلکہ علانیہ مغربی تہذیب کے نام سے کیا، جدید ترکی کی تو بنیاد ہی مغربی تہذیب پر پڑی تھی، لیکن پاکستان تو اسلام کے نام سے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت و پاسبانی کے دعویٰ کے ساتھ قائم ہوا ہے، اس لئے اس کے لئے مغربی تہذیب کی تقلید اور وہ بھی اسلام کے نام سے کسی طرح زیبا نہین ہے، اگر وہ عورتون کو شرعی پردہ کا پابند نہین بنا سکتا، تو کم از کم انھین شمعِ انجمن اور زینتِ محفل تو نہ بنانا چاہئے، مصنف کے قلم مین کہین کہین تلخی و تیزی آگئی ہے، مگر ان کا مقصد اور نقطۂ نظر بالکل صحیح اور یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مفید ہے،

ذکرِ غالب از جناب مالک رام صاحب ایم اے تقطیع اوسط ضخامت ۲۳ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ/ پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی،

مصنف نے آج سے بارہ تیرہ سال پہلے مرزا غالب کے حالات مین ایک مختصر کتاب ذکرِ غالب کے نام سے لکھی تھی، اس مدت مین غالب کے متعلق تحقیقات کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا، اور بہت سے نئے معلومات حاصل ہوئے، اس لئے انھون نے ذکرِ غالب پر نظرِ ثانی کرکے نئے اضافون اور ترمیمون کے ساتھ

اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، اس میں اتنے اضافے ہوگئے ہیں، کہ اس کی ہیئت ہی بدل گئی ہے، پہلے اڈیشن سے اس کو کوئی مناسبت نہیں رہ گئی، اس کا حجم دوگنے سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے، اس کتاب میں معتبر اور مستند ماخذوں سے غالب کے سوانح، حالات اور اخلاق و عادات تحریر کئے گئے ہیں، اور ان کی تصانیف پر محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے، اور ادھر چند برسوں میں غالب کے متعلق جس قدر نئے معلومات حاصل ہوئے ہیں، ان سب کا خلاصہ اور عطر آگیا ہے، غالب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے یہ کتاب امتیازی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مولف ایک نکتہ سنج ادیب اور پختہ کار اہلِ قلم ہیں، اس لئے اُن کا طرزِ تحریر نہایت شگفتہ دلچسپ اور دلپذیر ہے، اُن کی اس تالیف سے غالبیات میں ایک قابلِ قدر کتاب کا اضافہ ہوا، اور وہ اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

کرنول کے تاجدار از جناب جی ام خاں ام اے عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ کتابت

وطباعت معمولی قیمت مرتبہ: مینجر ہندوستانی ادب ۹۹ ۔ ۳ اعظم پورہ، شرقی حیدرآباد دکن

تیموری حکومت کے زوال کے زمانہ میں دکن میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئی تھیں، ان میں ایک ریاست کرنول (مدراس) بھی تھی، اس کو داؤد خان صوبہ دار نے اٹھارہویں صدی کے شروع میں قائم کیا تھا، اور تقریباً انیسویں صدی کے وسط میں انگریزوں نے اُس کے آخری فرمانروا نواب غلام رسول خان پر جھوٹے الزامات لگا کر اس کا خاتمہ کیا، اور اُن کے ورثہ کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا، اس کتاب میں سرکاری دستاویزوں اور انگریز حکام کی تحریروں سے ریاست کرنول کے مظلومانہ خاتمہ اور خاندان کرنول کے ساتھ انگریزوں کی بدسلوکی کے حالات تحریر کئے گئے ہیں، مصنف غالباً ابھی نوآموز ہیں، اس لئے تحریر میں بڑی خامیاں ہیں، گو اب ان واقعات کی حیثیت داستانِ پارینہ سے زیادہ نہیں ہے، تاہم اس سے ایک تاریخی واقعہ اردو میں محفوظ ہوگیا۔

"م"

جلد ۶۷ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۵۱ء عدد ۶

مضامین